



جامعہ دارالعلومی  
لاہور کا ترجمان

# دارالعلومی

ماہ نامہ

ذی الحجه ۱۴۳۱ھ

اگست 2020ء

- تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند
- دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں
- آیا صوفیہ
- اراضی کشمیر بارے تاریخ ساز فتویٰ



# جامعہ دارالتفوی کی جانب سے واٹس ایپ (Whatsapp) پر روزانہ حدیث کا سلسلہ جاری ہے

آپ بھی اپنے واٹس ایپ پر روزانہ حدیث حاصل کر سکتے ہیں۔

روزانہ حدیث حاصل کرنے کے لیے  
اپنے واٹس ایپ سے **TAQWA** لکھ کر 43222333224 پر جھیجن۔

متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک ملتان روڈ لاہور

042-37414665

[www.darultaqwa.org](http://www.darultaqwa.org)

[darultaqwa.online@gmail.com](mailto:darultaqwa.online@gmail.com)

[/jamiadarultaqwa](https://www.facebook.com/jamiadarultaqwa)



تیکھان جامعہ دارالتحفظی لاهور

# ماہنامہ دارالتحفظی لاہور

حضرت اقدس ذکر مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بدعا

شمارہ 12 جلد 9 ذی الحجه ۱۴۲۱ھ -- اگست 2020ء

زیر پرستی

حضرت مولانا عثمان صاحب

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عمر شید صاحب

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

حضرت مولانا جمیل الرحمن صاحب

حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مدیر

مولانا عبدالودود ربانی

مدیر مسئول

مفتی محمد اسماء مولانا ذوالکفل

مجلس ادارت

# فہرست

<p><b>اداریہ</b></p> <p><b>مدیر مسول 5</b></p> <p><b>پاکستان اللہ کی نعمت ہے</b></p> <p><b>درس قرآن</b></p> <p><b>مفتی عاشق الہی بلند شہری 12</b></p> <p><b>منافقوں کی جھوٹی قسمیں</b></p> <p><b>مقالات و مضمایں</b></p> <p><b>اصحاب رسول کی عظمت شان</b></p> <p><b>ڈاکٹر علامہ خالد محمود 14</b></p> <p><b>لی وی چینیز تبلیغ دین کا ذریعہ ہو سکتے ہیں؟ مولانا یوسف بنوری 19</b></p> <p><b>مولانا محمد بشیر بدر 21</b></p> <p><b>تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند</b></p> <p><b>مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ مقالات حکیم الاسلام</b></p> <p><b>دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں اور یا مقبول جان 29</b></p> <p><b>سفیان علی فاروقی 33</b></p> <p><b>آیا صوفیہ</b></p> <p><b>اراضی کشمیر بارے تاریخ ساز فتویٰ مفتی تقی عثمانی صاحب نظر 36</b></p> <p><b>سوانح حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ مولانا محمد ذوکفل 41</b></p> <p><b>مفتی تقی عثمانی صاحب نظر 47</b></p> <p><b>”جہان دیدہ“</b></p> <p><b>حضرت آنسو نور اللہ مرقدہ کی کتب پر تبصرہ ڈاکٹر عبد الواحد کی کتب پر تبصرہ مفتی شعیب احمد صاحب 53</b></p> <p><b>آپ کے مسائل کا حل دارالافتاء و تحقیق 61</b></p> <p><b>جامعہ کے شب و روز ادارہ 65</b></p>	<p><b>نی شمارہ: ۳۰ روپے سالانہ بدل خرچ: ۳۵۰ روپے</b></p> <p><b>خط و کتابت کا پتہ</b></p> <p><b>دفتر ماہنامہ دارالتفوی</b></p> <p><b>متصل جامع مسجد الہلال</b></p> <p><b>چوبر جی پارک لاہور</b></p> <p><b>سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں</b></p> <p><b>فون نمبر:</b></p> <p><b>04235967905 03005553616</b></p> <p><b>اس دائرے میں سرخ نشان مدت خیریاری کے قسم ہونے کی علامت ہے</b></p> <p><b>Email Address</b></p> <p><b>monthlydarultaqwa@gmail.com</b></p> <p><b>مقام اشاعت:</b></p> <p><b>متصل جامع مسجد الہلال چوبر جی پارک لاہور بینک اکاؤنٹ نمبر</b></p> <p><b>1001820660001 ٹائمس اکاؤنٹ دارالتفوی میٹریٹ ایم آئی بی برائی گود 159 (مسلم کرسیل بینک)</b></p> <p><b>محل: شرکت پر ٹنک پر لیں</b></p>
---	--

## حرف او لیں

### پاکستان اللہ کی نعمت ہے

اگست کا مہینہ آئے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اُن بے مثال قربانیوں کو بھول جائیں، بیاس اور تنقیح دریاؤں کے کناروں پر بہنے والے خونِ نا حق کی ندیوں کو بھول جائیں، اپنی عفت مآب ماؤں بہنوں بیٹیوں کو کیسے بھول جائیں جو اپنی عصمتیں بچانے کے لئے اندر ہے کنوں میں کو گنکیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان لاکھوں افراد کے تہذیب ہونے، اپنے گھروں سے بے خل کیے جانے اور بے سروسامانی کے عالم میں مہاجر بننے والوں کو بھول جائیں، ہم میل گاڑیوں اور چھکڑوں میں سوار اور پیل چلنے والے لئے پہنچانے کے لئے کوئی کیسے بھول جائیں، ہم ریل گاڑیوں کے ڈبوں کے اندر اور چھتوں اور دروازوں کے ساتھ لٹکے ہوئے کٹے پھٹے اور زخموں سے چور بے حال مسافروں کو کیوں بھول سکتے ہیں، ہم تہتر سال قبل کے ان دل دوز مناظر کو کیسے بھول جائیں جن کی جھلکیاں ہمیں آج بھی تاریخ کے جھروکوں سے کچوکے لگاتی ہیں۔ یقیناً ہم ان مناظر کو نہیں بھول سکتے کہ ان کا تعلق اُس بے مثال جدوجہد سے ہے جو بر صغیر کے مسلمانوں نے اپنے عظیم قائدین کی قیادت میں اپنے لیے ایک الگ خطہ ارض حاصل کرنے کے لیے کی۔ یہ جدوجہد بلاشبہ عظیم المثال تھی۔

ہماری بے خبری کی انتہاء یہ ہے کہ ہم تاریخ آزادی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کی قرارداد پاکستان سے شروع کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ صرف سات سال کی جدوجہد سے ۷۱۹۴ء میں ہم آزاد ہو گئے۔

گویا انگریز جیسی شاطرا اور ہندو جیسی مکار قوم نے ہمیں آزادی کا تحفہ آسانی سے پیش کر دیا۔ ہر سال یوم آزادی آتا ہے اور گزر جاتا ہے لیکن کالا پانی کے جزیرے کو آباد کرنے والے شمع آزادی کے پرونوں اور ہندوستان بھر کے زندانوں کو آباد کرنے والے وفا شعار مجاهدین آزادی کا نام سننے کو بھی کان ترس جاتے ہیں۔ آج ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو مولانا محمد جعفر تھائیسری، مفتی عنایت احمد کا کوری، مولانا عبداللہ صادق پوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی آزادی کیلئے پیش کی گئی قربانیوں سے واقف ہیں۔ پھر ان کے بعد آنے والے قافلہ حریت کے پاسبان سید الاطائف حضرت حاجی امداد اللہ مہما جرکی مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور دیگر بے شمار نامور شخصیات بھی ایسی ہیں جن کا نام لینا بھی ہمیں تاریخ آزادی میں گوارا نہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی سے لے کر تحریک ریشمی رومال تک اور تحریک احیاء خلافت عثمانیہ سے لے کر تحریک آزادی تک انجی ہی اکابر کی بے مثال قربانیاں تھیں جس نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کے نجج بوجے۔

ظاہر ہے کہ یہ قربانی اور جدو جہد کسی مادی مقادی کیلئے نہ تھی بلکہ اس اسلامی نظریہ کیلئے تھی جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہونے جا رہا تھا۔ دینی و مذہبی احساس، پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا خواب اور اس کی خاطر ہر قربانی کو انگیز کرنے کا جذبہ، یہ وہ عناصر ترکیبی ہیں جو قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کی اصل بنیاد بنے۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ۱۳ اگست کے دن، اب تو بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے وہ فرامین بھی خاک تلے دفن کر دیئے جاتے ہیں جن میں قیام پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد متعدد مواقع پر انہوں نے قیام پاکستان کے مقاصد کو کھوں کر بیان کیا تھا۔

مثلًا: بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے جب بھی حصول پاکستان کے مقاصد کا ذکر کیا تو ان مقاصد میں ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام سرفہrst تھا جہاں قرآن و سنت کی فرمازوائی ہو۔ 21 نومبر 1945ء کو فرنٹیئر مسلم لیگ کا فرنٹس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ:

”مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات، اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں۔ ہمارا دین، ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصل طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کیلئے متحرک کرتے ہیں۔“ ۱۹۴۸ء جنوری ۲۱

اسلامیہ کا نجح پشاور میں خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا:

”ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا لکڑا حاصل کرنے کیلئے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزمائیں۔“

بانی پاکستان کے نزدیک تصور پاکستان کے یہ وہ خدوخال ہیں جو ان کی مختلف تقریروں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں اور ایک اسلامی ریاست کا وہ تصور پیش کرتے ہیں جس کو عملی جامہ پہنا کر ہم نہ صرف موجودہ چیلنجز سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں بلکہ ایک باوقار اور ترقی یافتہ قوم کی صورت میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ تاریخ کا یہ کتنا بھیانک اور ناقابل معافی جرم ہے کہ جس مقصد پر بیس لاکھ سے زائد مسلمانوں نے اپنی جان و مال کی قربانی پیش کی، جس نظریے کی خاطر ہزاروں مسلمان مارکیں، یہ نہیں اور بیٹھاں قربان ہو گئیں، جس ہدف کو حاصل کرنے کیلئے بھرت کی وہ لازوال داستان رقم کی گئی، جس کی مثال صدیوں میں نہیں ملتی، اپنے اسلاف کرام کے بے داغ کردار، بے مثل عزم و استقلال، عظیم قربانیوں اور عدم الغیر جرأت و ہمت کی بدولت استعمار کے چنگل سے آزادی نصیب ہوتی۔ آج اُسی مقصد، اُسی نظریے اور اُسی ہدف کوئی نسل کی نظر میں مشکوک اور ان کے دل و دماغ میں مجہم بنایا جا رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے قائدین کے فرماں میں سے ہی ناواقف ہوں، ان سے یہ توقع کرنا ضرور اور بیکار ہے کہ وہ تحریک پاکستان میں بنیادی کردار ادا کرنے والی شخصیت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مغربی پاکستان کے اُس وقت کے دارالحکومت کراچی میں سب سے پہلے پاکستانی پرچم لہرانے والے مفسر قرآن مولانا شیب الرحمنیؒ اور مشرقی پاکستان کے دارالحکومت ڈھا کر میں سب سے پہلے پاکستانی پرچم لہرانے والے عظیم عالم دین مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی دیگر نامور ہستیوں کے کارناموں کا اعتراف کریں گے۔

بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے آزادی کو کھیل تماشا سے زیادہ سنجیدہ نہیں لیا۔ کاش کہ ناج گانے کی محفلوں، آتش بازی کے مظاہروں، بے ہنگم موسیقی کی سروں اور بے سرو پا حرکتوں کے بجائے شہداء آزادی کے ایصالِ ثواب کی محفل منعقد ہوتیں، مجاہدین آزادی کے عظیم کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کروایا جاتا اور پاکستان کی آزادی کو لاحق اندرونی و بیرونی خطرات سے اہل طلن کو خبردار کیا جاتا، تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ آج ہماری نوجوان نسل آزادی کے متعلق اتنی بے شور نہ ہوتی کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو

کہ ہم نے آزادی کس سے حاصل کی تھی؟ آزادی کن مقاصد کیلئے حاصل کی گئی تھی اور اس آزادی کی نعمت کیلئے آتش و خون کے دریا عبور کر کے آنے والوں کے دلوں میں کیا جذبات موجز ن تھے۔

آزادی کا دن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے وطن سے محبت کریں، اس کے ایک ایک پھپے سے پیار کریں، یاد رکھیں وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ مشہور مؤرخ، ادیب و شاعر ایں ڈبلیو سکاٹ کے الفاظ میں ”جو شخص جذبہ حب الوطنی سے محروم ہے اس شخص کی طرح ہے جو سانس تولیتا ہے مگر اس کی روح اس قدر مردہ ہو چکی ہے کہ کبھی اس نے خود سے بھی یہ نہیں کہا ہوتا ہے کہ یہ میری سرزی میں ہے یہ میرا اپنا وطن ہے۔“

اللہ کے نبی اکی اپنے وطن سے محبت کا حال دیکھتے، اپنے وطن کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ”اے مک تو کتنی مقدس سرزی میں ہے۔۔۔ لتنی پیاری دھرتی ہے میری نظر میں۔۔۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکلا ہوتا تو میں یہاں سے نہ لکھتا۔“ (ترمذی) پھر جب آپ ا مدینہ تشریف لاتے ہیں تو سرزی میں مدینہ کے لئے دعا فرماتے ہیں: ”اللہ ہمارے ول میں مدینہ سے ولیکی ہی محبت ڈال دے جیسے مکہ سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“ (بخاری و مسلم)

یہ ہم پر دھرتی کا فرض اور قرض ہے کہ ہم اس کی ترقی اور بہتر امتیح کے لئے ہر ممکن ٹگ و دو کریں، اس دن سجدہ شکر بجالا کیں اور ان شہیدوں کے ایصالی ثواب کے لئے دعا کریں جنہوں نے بانی پاکستان سمیت جید علماء کی قیادت میں لاکھوں جانوں کے نذرانے دے کر یہ ملک حاصل کیا تاکہ آنے والی نسلیں آزاد فضاؤں میں زندگی گزار سکیں۔

14 اگست یوم تجدید عہد ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اجتماعی و انفرادی طور پر یہ عہد کریں کہ کلمہ کی بنیاد پر حاصل کیے گئے اس ملک میں حاکمیت صرف اللہ کی ہوگی۔ مملکت کا قانون شریعت کے تابع ہوگا۔ ہم اپنی انفرادی زندگی میں بھی شریعت پر عمل کریں سنتوں کو زندہ کریں، بھلانی کے پیغام کو عام کریں۔ منکرات سے خود بھی بچتے ہوئے دوسروں کی بھی فکر کریں۔ اپنی چوبیں گھنٹے کی زندگی شریعت مطہرہ کے مطابق گذارنے اور اپنے اہل و عیال سمیت پوری امت کی فکر کریں، قوم جب اپنے مقصد حیات پر کھڑی ہوگئی اور وطن عزیز کی اکثریت دین پر آگئی تو اکثریت کے منتخب عوامی نمائندے بھی اکثریتی عوامی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلے کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اپنے ملک کو کلمہ کی بنیاد پر اور اسلامی فلاجی ریاست بنانے کا واحد راستہ خود کو بدلنے کے عمل سے گذرتا ہے اور یہی اس دن کا پیغام ہے۔

## اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کا معاملہ

2017 میں وزارت مذہبی امور کی تجویز پر حکومت وقت نے اسلام آباد کے سیکٹر ایچ نائن ٹو میں ہندو برادری کو 4 کنال کا پلاٹ الائٹ کیا، یہ جگہ ہندو برادری کو مندر، کیونٹی سینٹر یا شمشان گھاٹ کے قیام کے لیے الائٹ کی گئی۔ 2018 میں یہ جگہ مقامی ہندو کوئل کے سپرد کردی گئی، ہندو برادری کے پاس وسائل کی کمی کی وجہ سے اس کی تعمیر شروع نہ ہو سکی، اب وزیر اعظم جناب عمران خان نے اس مندر کی تعمیر کے پہلے مرحلے کے لیے دس کروڑ روپے کا اعلان کیا تو اس کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ 23 جون کو انسانی حقوق کے پارلیمانی سیکریٹری لال چند ملہی نے اس مندر کے لیے منظور شدہ زمین پر ایک سادہ سی تقریب کے دوران تعمیراتی کام کا افتتاح کیا۔ لال چند ملہی نے اس موقع پر اپنے ایک ٹوٹ پیغام میں کہا کہ کئی صد یوں میں یہ اسلام آباد میں بننے والا پہلا مندر ہو گا۔ حکومت نے چار کنال جگہ مختص کی ہے، یہ پاکستان کے ثبت کردار کی علامت ہے کہ انڈیا میں مساجد ویران کی جا رہی ہیں اور یہاں پاکستان میں مندر آباد کیے جا رہے ہیں۔“

اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر اور وزیر اعظم کی طرف سے گرانٹ کے اعلان کے بعد عوام میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، مذہبی و دینی جماعتوں اور مختلف حلقوں کی طرف سے شدید رعمل سامنے آیا، کیونکہ ایک طرف حکومت اسلام آباد میں موجود کچھ مساجد کو غیر قانونی قرار دے کر گرانے کا نوٹس دے چکی ہے (اور ایک مسجد کو تو گرا بھی دیا گیا) اور دوسری طرف ”بت خانے“ کی تعمیر کے لئے فنڈز کا اعلان کر رہی ہے اس دونوں پالیسی پر عوام کا غم و غصہ فطری تھا، حکومتی اتحادی جماعت مسلم لیگ ق کے مرکزی رہنماء اور پیغمبر پنجاب اسمبلی جناب پرویز الہی نے سخت رعمل کا اظہار کیا اور حکومت کو اس عمل سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔

مختلف مکاتب فکر کے علماء نے نیشنل پریس کلب اسلام آباد میں مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے حکومت کو تنقیبہ کی کہ وہ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر سے باز رہے ورنہ شدید رعمل ہو گا، کسی بھی صورت مندر کی تعمیر نہیں ہونے دیں گے کیونکہ یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے منافی ہے، حکومت اگر مندر کی تعمیر کیلئے زبردستی کرے گی تو اسے شدید رعمل کا سامنا بھی کرنا ہو گا۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ولیں نہیں ملتی کہ نبی کریم ﷺ یا آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین یا ان کے بعد اسلامی ادوار میں کسی اسلامی حکومت نے شرک کا مرکز تعمیر کیا ہو، خصوصاً تھوں کا مرکز و معبد جو اسلام اور توحید کے سر اسر منافی ہے، علماء

کرام نے کہا کہ حکومت اس مندر کو اپنے خزانے سے تعمیر کرنے جا رہی ہے اس خزانے کی بنیاد ہم مسلمانوں کے لیکن اور بل بیں ہم اپنی کمائی سے شرک کا اڈہ تعمیر کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔ دوسری طرف مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی مندر کی تعمیر کے معاملے میں حکومت کے ساتھ کھڑی نظر آئی، خواجہ آصف نے (معلوم نہیں اپنی جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر کہا یا جوش خطابت میں کہہ گئے) تو یہاں تک کہہ دیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں اور کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقيت حاصل نہیں ہے۔ ملک کا بدل و سیکولر طبقہ اور مومتی ما فیما مساجد کے انہدام پر جن کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی مندر کی تعمیر کے رک جانے پر تنخ پا ہے۔

وفاقی ترقیاتی ادارے (سی ڈی اے) کی انتظامیہ نے اراضی پر مندر کی تعمیرات کو روکا دیا ہے۔ ترجمان سی ڈی اے کے مطابق مندر اور شمشان گھاٹ کی تعمیر سی ڈی اے سے بلڈنگ پلان کی منظوری حاصل کیے بغیر شروع کی گئی تھی شدید عوامی رعیت دیکھ کر حکومت نے معاملہ اسلامی نظریاتی کو نسل کو بھیج دیا ہے، اگر یہی کام پہلے روز سے ہی کر لیا جاتا تو اتنی ہریت نہ اٹھانا پڑتی۔

حکومت وقت کو چاہئے کہ کسی بھی دینی معاملے میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس شعبے کے ماہرین یعنی علماء کرام کی رائے ضرور حاصل کرے تاکہ بعد میں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ جس طرح کورونا کے معاملے میں ڈائٹریکٹ کی رائے کا احترام ہے اور ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے مدارس بند کر دیے جوتا حال بند ہیں اور سالانہ امتحانات تک مؤخر کر دیے اور مساجد میں نمازوں جمعہ کے اجتماعات محدود کر دیے اور ان محدود اجتماعات میں بھی ماہرین کی طرف سے جاری کردہ قواعد و ضوابط پر عمل پیرا ہونے کی پوری کوشش کی تو کیا وجہ ہے خاص شرعی و دینی معاملات میں اس شعبے کے ماہر علماء کرام سے رائے لینا ضروری نہیں سمجھا جاتا اور اگر کوئی رائے آئے تو اس پر عمل کرنے میں لیٹ ولعل سے کام لیا جاتا ہے۔ صورت مسئلہ میں عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت و ممتاز عالم دین شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب کی اعتدال پر بنی رائے بھی سامنے آچکی ہے حکومت اس سے رہنمائی لے سکتی ہے، انہوں نے اپنے ٹوئیٹر پیغام میں زیر بحث مسئلہ کے متعلق فرمایا:

”اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو حق ہے کہ جہاں ان کی آبادی کے لیے ضروری ہو وہ اپنی عبادت گاہ برقرار رکھیں اور پاکستان جیسے ملک میں جو صلح سے بنائے ہے وہ ضرورت کے موقع پر نئی عبادت گاہ بھی بنی

سکتے ہیں لیکن حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خرچ پر مندر کی تعمیر کرے خاص طور پر ایسی جگہ جہاں ہندو برادری کی آبادی بہت کم ہواں لیے اسلام آباد میں حکومت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے خرچ پر مندر تعمیر کرائے۔

عظیم دینی درسگاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نے صورتِ مسئلہ میں اپنی تفصیلی رائے دی ہے جو قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔

صورتِ مسئلہ میں مندر و کنیسہ کی تعمیر کے سلسلہ میں فقہاء کی تحریرات کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں تین قسم کے علاقے ہوتے ہیں:

۱- ایک وہ شہر جسے مسلمانوں ہی نے آباد کیا ہو، اس لیے وہاں مسلمان ہی قیام پذیر ہوئے ہیں، وہاں غیر مسلموں کو عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۲- دوسرا جو علاقے مسلمانوں نے بزور طاقت فتح کیے ہوں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم ہو گئے ہوں، اب وہ مسلمانوں ہی کا شہر بن گیا ہو، وہاں بھی غیر مسلموں کوئی عبادت گاہیں تعمیر کرنا منوع ہوگا، لیکن اگر وہاں غیر مسلموں کی کافی آبادی ہو جائے اور ان کو وہاں کی شہریت (ذمہ) حاصل ہو جائے، تو پھر انہیں نئی عبادت گاہ بنانے سے روکا نہیں جائے گا۔

۳- تیسرا جو علاقے جو صلح کے ذریعے حاصل ہوئے ہوں، اور معاہدے کے تحت وہاں کی اراضی کو قدیم آبادی کی ملکیت تسلیم کیا گیا ہو۔ وہاں انہیں نئی عبادت گاہیں بنانے کا حق حاصل ہوگا۔ نیز جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہوں وہ نہ صرف باقی رہیں گی، بلکہ اگر وہ گرجائیں یا مرمت طلب ہو جائیں تو ان کے لیے دوبارہ ان کی تعمیر بھی جائز ہوگی۔

والسلام  
عبدالودود ربانی  
مدیر مسئول

از انوار البيان  
مفتی عاشق الہی بلند شہری

## منافقوں کا جھوٹی قسمیں کھا کر فرمانبرداری کا عہد کرنا

..... سورۃ النور ..... 53 آیت نمبر

أَعُوذُ بِاللَّهِ عَنِ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ ○ يَسِّعُ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

وَاقْسِمُوا بِاللَّهِ وَجْهَدَ أَيْمَانَهُمْ لَئِنْ أَمْرَتُهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلُّ

لَا تُقْسِمُوا كَاعَةً مَعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ حَبِّرَ بِمَا تَغْلُونَ

ترجمہ:

”اور انہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ قسم کھائی کہ آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکل جائیں گے آپ فرمادیجئے کہ قسم نہ کھاؤ فرمانبرداری پہچانی ہوئی ہے بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے۔“

تفسیر:

ان آیات میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے اور زوردار طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں

کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو سراپا اطاعت ہیں آپ کا حکم مانے کو تیار ہیں اگر آپ کا حکم ہو ہم گھر بارچھوڑ کر نکل جائیں تو ہم اس کیلئے حاضر ہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ آپ جب بھی جہاد کیلئے باہر نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجئے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری جانی پہچانی ہوئی ہے قسمیں کھانے کے باوجود بھی تم اپنے وعدہ پر پورے نہیں اتر سکتے حکم سن کر پھر خلاف ورزی کرو گے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جو شخص مخلص ہوا سے اپنے فرماں برداری ظاہر کرنے کیلئے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو حکم کو مانتا چلا جاتا ہے اس کا عمل اور طرز عمل ہی بتاتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور جس کا فرماں برداری کا صرف دعویٰ ہی ہوا پنے دعوے کا بھرم رکھنے کیلئے بار بار قسمیں کھاتا ہے اور نیتیں دلاتا ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور ہر حکم کیلئے حاضر ہوں، منافقین کا یہی طریقہ تھا کہ فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے پھر جب حکم ہوتا تھا منہ موڑ لیتے تھے اور مومنین اخلاص کیسا تھا فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے انہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ تھی ہر شخص کو آخرت میں بھی پیش ہونا ہے میدان قیامت میں جب حساب ہوگا تو یہ زبانی دعوے اور جھوٹی قسمیں اور دھوکہ دینے کے ارادے اور شروع فساد کی نیتیں سب ہی کا انجام دیکھ لیں اگر بندوں کو پتہ نہ چلے تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ خبر ہے اور وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا۔



از: ڈاکٹر علامہ خالد محمود

## اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو حضور ختنی مریت پر مکمل فرمایا اس کی تاریخ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی اور حضرت عمرؓ پر اسلام کا پہلا چلہ پورا ہوا۔ سیدنا حضرت عثمانؓ بن ابی اوسیہ کی سیادت اور وجهات سے رسول ہاشمی کے خدمت گزار بنے اور حضرت علی المرتضیؑ نبوت کے زیر سایہ جوان ہوئے۔ ان چار حضرات کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی بر سرا قدر آئے (جیسے حضرت حسن، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) لیکن ان پہلے چار بزرگوں میں خلافت افضلیت کے ساتھ ساتھ چلی اس لیے ان چار حضرات کو جو شرف و کمال ملا وہ عقائد اہل السنۃ والجماعت کی اساس ہے اور اس کے گرد پہرہ دینا وہ اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں۔ ان کے ذمہ ہے کہ وہ ان پاکبازوں کے گرد بچھائے گئے کائنوں کو ایک ایک کر کے چنیں اور ابن آدم کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو بطور طبقہ اخلاق فاضلہ کی جلابخشی تھی اور انہیں کفر گناہ اور نافرمانی سے دوری صرف از حکم شریعت نہیں از راہ طبیعت حاصل ہو چکی تھی۔ شریعت کے تقاضے ان کی طبیعت بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنادیا تھا۔ ہمارے اس عقیدہ پر قرآن کریم کی کھلی شہادت موجود ہے۔

ولکن اللہ حب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر  
والفسوq والعصیان أولئک هم الراشدون (پ: ۲۲، الحجرات)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان، اور کھباد یا اس کو تمہارے دلوں میں اور لائق نفرت بنادیا تمہارے دلوں میں کفرگناہ اور نافرمانی، وہ ہیں راشدین۔

ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑپڑیں تو وہ رہیں گی مومن ہی۔ ان کے اختلاف کا منشاء غلط فہمی تو ہو سکتا ہے لیکن بد نیتی نہیں، سوء اعتقاد نہیں، ایمان اپنی بنیادی شان سے ان کے دلوں میں جگہ پاچکا ہے ان میں خون ریزی تک دیکھو تو بدگمانی کو راہ نہ دو۔ یہ سب بھائی بھائی ہیں بدگمانی سے انتہا تک پچھو۔

ان میں سے کسی بڑے سے بڑا گناہ دیکھو تو بھی بدگمانی نہ کرو۔ اس کا ظہور بتقا ضائع فتنہ نہیں ہوا۔

محض اس حکمت سے وجود میں آیا ہے کہ اس پر شریعت کی بدایت اُترے اور یہ لوگ تکمیل شریعت کے لیے استعمال ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت نماز کی رکعتوں میں بھولنا از راہ غفلت نہیں تھا اس حکمتِ الہی کے تحت تھا کہ لوگوں پر سجدہ ہہو کا مسئلہ کھلے اور شریعت اپنی پوری بہار سے کھلے۔

سو ایسے جو امور شان نبوت کے خلاف نہ تھے ان کے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالے گئے اور جو گناہ کی حد تک پہنچتے تھے انہیں بعض صحابہ پر ڈالا گیا اور حضرت اس طرح تکمیل شریعت کے لیے بطور سبب استعمال ہو گئے ان حالات سے گزرنے کے بعد ان کا وہ تقدس بحال ہے جو انہیں بطور صحابی کے حاصل تھا اور ان کی بھی بدگوئی کسی پہلو سے جائز نہیں۔ اعتبار ہمیشہ ادا خرا مور کا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ان امور اور واقعات کی قرآن کریم سے تطیق نہیں ہوتی۔ یہ بات بالقطع والیقین حق ہے کہ صحابہ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو غیر اُنقدر ہو یا جو دین میں کوئی غلط بات کہے۔ سرخیل محمد شین حضرت علامہ عیینی (۷۸۵ھ) لکھتے ہیں:

لیس فی الصحابة من يكذب وغير ثقة (۱)

جب کوئی حدیث کسی صحابی سے مروی ہو اور اس کے نام کا پتہ نہ چلے تو وہ راوی کبھی مجہول الحال نہ سمجھا جائیگا، صحابی ہونے کے بعد کسی اور تعارف یا تعدیل کی حاجت نہیں۔

علامہ ابن عبد البر مالکی (۴۳۶ھ) لکھتے ہیں:

ان جمعیہم ثقافت مامونون عدل رضی فو اجنب قبول ما نقل کل واحد

منہم و شهدوا به علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲)

ترجمہ: سب صحابہ ثقہ اور امانت دار ہیں عادل ہیں اللہ ان سے راضی ہوا ان میں سے ہر ایک نے جو بات اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی اور اس کے ساتھ اپنے نبی کے عمل کی شہادت دی (لفظاً ہو یا عملًا) وہ واجب القبول ہے۔

صحابت میں سب صحابہ راشد اور مہدی تھے، مگر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہوئے جو نظم امور سلطنت میں بھی راشد اور مہدی ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنی امت کو ان کے نقش پا پر چلنے کی دعوت دی۔

عليکم بستی و سنته الخلفاء الراشدين المهدیین او كما قال النبی صلی

الله علیہ وسلم

یہ حضرات وہی نقویٰ تدسویہ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید لکھتے ہیں۔ دیکھئے صراط مستقیم، ص: ۱۱۵:

طالب کو چاہیے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلاو السلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بڑے یارِ رضی اللہ عنہم جمیعن تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے مسلمان کو چاہیے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈنے کیوں کہ وجوہ تفضیل کو ڈھونڈنا دین کے واجبوں اور مستحبوں میں سے بھی نہیں۔

ان چار یار کے علاوہ باقی صحابہ میں تفضیل کی یہ بحث نہیں۔ آسمان ہدایت کے سب ستارے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ستارے ایک جیسے نہیں چکتے، چمک ہر کسی کی اپنی اپنی ہے لیکن ہے ہر کسی میں روشنی اور تاب اندر ہر ایک میں سے کسی میں نہ ملے گا۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ ہیں جو بطور طبقہ مجدد و منصور ہیں۔ عام طبقات انسانی میں اچھے بڑے کی تقسیم ہے، علماء تک میں علماء حق اور علماء سوء کی دو قطاریں لگی ہیں، لیکن صحابہ میں یہ تقسیم نہیں۔ صحابہ سارے

کے سارے اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن کی خبر دی ہے اور فرمادیا کہ کلمہ تقویٰ ان میں اُتار دیا گیا اور بیشک وہ اس کے اہل تھے:

وَالْزَمْهُمْ كَلْمَةَ التَّقْوِيٰ وَكَانُوا حَقَّ بَهَا وَأَهْلَهَا (ب: ۲۶، الفتح، ع: ۳)

حدیث میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ سو یہ بات ہر شک اور شبه سے بالا ہے کہ کلمہ اسلام ان کے دلوں میں اُتار گیا تھا اور اس کے لیے ان کے دل کی ڈنیا بلاشبہ تیار اور استوار تھی کہ اس میں یہ دولت اُترے اور انہی کا حق تھا کہ یہ دولت پاجائیں۔

سو یہ حضرات ہم احادامت کی طرح نہیں۔ ان کا درجہ ہم سے اُپر اور انیاء کرام کے نیچے ہے۔ انہیں درمیانی مقام میں سمجھو کر یہ حضرات ہم پر اللہ کے دین کے گواہ بنائے گئے ہیں اور اللہ کا رسول ان پر اللہ کے دین کا گواہ ہے جس طرح کعبہ قبده نماز ہے یہ حضرات قبلہ اقوام ہیں:

وَكَذَلِكَ جَعْلُنَا كُمْ أَفْتَةً وَسَطْلًا تَكُونُوا شَهِداءً عَلَى النَّاسِ وَيَكُونُ الرَّسُولُ

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (ب: ۲، البقرہ، ع: ۷، آیت: ۱۳۳)

خطیب بغدادی (۳۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام مخلوق میں سے کسی کی تعدل کے محتاج نہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے ان کی تعدل کر چکا ہے:

فَلَا يَحْتَاجُ أَحَدٌ مِّنْهُمْ مَعَ تَعْدِيلِ اللَّهِ لَهُمُ الْمَطْلُعُ عَلَى بُوَاطِنِهِمُ الَّتِي تَعْدِيلٌ

اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ لَهُ (۳)

ترجمہ: صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدل کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ جو ان کے قلوب پر مطلع ہے اس کی تعدل کے ساتھ اور کسی کی تعدل کی ضرورت نہیں۔

ہر وہ قول اور فعل جو ان سے منقول نہیں بدعوت ہے۔ سو یہ حضرات خود بدعوت کا موضوع نہیں ہو سکتے ان کے کسی عمل پر بدعوت کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن کثیر (۴۷۷ھ) لکھتے ہیں:

كُلُّ فَعْلٍ وَقُولٍ لَمْ يُشَبِّهْ عَنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ هُوَ بِدْعَةٌ (۳)

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی قول اور کوئی فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو بدعوت ہے۔

صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمان (۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

کل عبادہ لم یتعبدہا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا

تعبدوہا (۵)

ترجمہ: ”دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا“۔

جب دین انہی سے ملتا ہے تو ان حضرات کی تعلیم اس امت میں حق کی اساس ہوگی۔ انہی سے قافلہ امت آگے بڑھا ہے اور پوری امت جماعت اور عید کے ہر خطبہ میں ان کی شاخوانی کرتی آئی ہے۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار ہے کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہِ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس راہ سے انہوں نے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے۔

اہل حق ہمیشہ سے صحابہ کی عظمتوں کے گرد پھرہ دیتے آئے ہیں جہاں کسی نے شک کا کوئی کاٹا گا یا، اہل حق نے ان کے تزکیہ کی کھلی شہادت دی، جہاں کہیں تجزہ اکی آواز اٹھی اہل حق کی دعوت سے آگے بڑھے اور نفاق کے بٹ ایک ایک کر کے گرا دیئے۔

(۱) عینی علی المخارقی، ج: ۲، ص: ۱۰۵۔

(۲) کتاب التمهید، ج: ۳، ص: ۲۶۳۔

=

(۳) الکفایہ، ص: ۳۶۔

(۴) تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۵۵۶۔

(۵) الاعتصام للشاطبی، ص: ۵۳۔



حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

بانی علماء بنوری ٹاؤن کراچی

کیاٹی وی چینلز تبلیغ دین کا ذریعہ ہو سکتے ہیں؟  
حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی زندگی کی آخری تقریر!

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے اسی سفر کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔ کونسل کے اجلاس کے موقع پر آپ کو سرکاری سطح پر ریڈ یا اور ٹیلی ویژن پر خطاب کی دعوت دی گئی۔ ریڈ یا پر خطاب کی دعوت تو قبول فرمائی گئی ٹیلی ویژن پر خطاب کی دعوت رد کردی اس بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کا خلاصہ یہ تھا:-

”اس سلسلے میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکاف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پاک مسلمان بنانا کر چھوڑیں..... ہاں اس بات کے مکاف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لیے جتنے جائز ذرائع وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں..... اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ دین کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی

بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرة میں رہ کر تبلیغ کے مکلف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو یعنی مراد ہے لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور آداب تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس جائز و ناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نو ابا نے کی کوشش کریں..... اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آداب تبلیغ کے ساتھ ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نو بنالیں تو اس کامیابی کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں..... کیوں کہ دین کے احکام کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی تبلیغ نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہو گی! فلم (ٹی وی) اپنے مزاج کے طبق سے بذاتِ خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے لہذا ہم اس کے ذریعے تبلیغ دین کے مکلف نہیں ہیں..... اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کے لیے فرش را ہیں لیکن جو شخص فلم (مووی) دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو، اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں..... اگر ہم یہ موقف اختیار کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا اور رقص و سرور کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس طرح ہم تبلیغ دین کے ایک اہم حکم کو پامال کرنے کے مرتب ہوں گے۔“

مولانا کی یہ آخری تقریر تھی اور غور سے دیکھا جائے تو یہ دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لیے مولانا کی آخری وصیت تھی جلوح دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔

(روایت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ۔ نقش رفیقان ص 105)



مولانا محمد مبشر بدر

## تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند

پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ اس کی بنیاد اسی وقت سے ہی پڑ گئی تھی جب ملکتِ اسلامیہ کے عظیم جرنیل محمد بن قاسمؓ نے ایک مسلمان بہن کی پکار پر ہندوستان پر لشکر کشی کر کے فتح حاصل کی اور ایک عادلانہ حکومت قائم کر کے ہندوؤں کو ان کے حقوق دیے جو اس سے قبل ہندو راجاؤں نے ضبط کیے ہوئے تھے۔ اس حسن سلوک، نیکی اور عدل سے متاثر ہو کر لاکھوں ہندو حلقوںہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ سلسلہ برابر چلتا رہاتی اک مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی۔ کٹر بند ہندوؤں کو اسلام کی پھیلی روشنی اور ہندو ازم کا خاتمہ بالکل برداشت نہیں تھا اسی لیے وہ مسلمانوں کے خلاف نفوذوں کے جالے بنتے رہے۔

جب کہ ادھر سر زمین ہند پر ایک بہت بڑی افتاد آن پڑی۔ تجارت کی غرض سے ہند میں وارد ہونے والے انگریزوں نے ہندوستان پر چڑھائی کر کے ناجائز قبضہ جمالیا، مسلمانوں کی مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس یلغار کو روکنے کے لیے علمائے اسلام میدان میں آئے جن میں علمائے دیوبند سرفہرست ہیں جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کے مشن کے صحیح معنی میں جانشین تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کے اساسی مقاصد میں سے علوم اسلامیہ کی اشاعت و ترویج، ترکیہ نفوذ اور انگریز کے خلاف جہاد شامل تھا۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں میں اپنے ملک کو بچانے کے لیے انگریز کے خلاف جہاد کا شوق و ولولہ پیدا کیا جس کی

بدولت انگریز کو ہندوستان سے بھاگنا پڑا اور یوں عمل آ تو ہندوستان انگریز کی غلامی سے آزاد ہو گیا لیکن انگریز کے بنائے ہوئے کالے قوانین کی زنجیروں میں ایسی برباد طرح جگڑا کہ آج تک ان سے آزاد نہیں ہو سکا۔

انگریز کے چلے جانے کے بعد ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے جس کی وجہ سے دوقومی نظریے نے وقت پکڑی۔ مسلمان یہ بات اچھی طرح جان گئے تھے کہ انگریز کی مسلط کی ہوئی جمہوریت کی بنی پر ہندو بر بنا اکثریت مسلمانوں پر حکمرانی کریں گے اور مسلمان ہندوؤں کی غلامی میں پستے رہیں گے۔ اس وقت کے موجودہ حالات بھی ہندوؤں کے مکروہ عزائم کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے الگ اسلامی ملک کی صدائیں کی جس میں وہ اسلامی احکامات کو نافذ کر کے اسلام کے زیر سایہ اپنی زندگی گزار سکیں۔ مسلمانوں کی انتہک محنت اور کوشش کے بعد ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال جو علامہ اقبال نے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبہ، صدارت کے دوران ظاہر کیا تھا بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی مجلس عاملہ میں کئی بار ظاہر فرمائے تھے، جس کا تذکرہ مولانا محمد علی جوہر کے دست راست اور کانگریس کے حامی مولانا عبدالمadjد دریا آبادی اپنی کتاب ”نقوش و تاثرات“ میں بیان کیا ہے۔ یہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بارے ان لوگوں کی گواہی ہے جو کانگریس کے حامی اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے اور خود حضرت تھانوی سے متعدد بار اسلامی ملک کی تاسیس کے بارے سن چکے تھے۔ ۱۹۴۷ء کو آپ ۲۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا دہلی میں اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ اس تاریخی اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے مسلم لیگ کے ارکان نے حضرت تھانوی کو ہدایات دینے کے لیے دعوت نامہ بھیجا۔ یہ حضرت تھانوی کی وفات سے تین ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ با مر مجبوری آپ نے اجلاس میں شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے اپنی ہدایات ایک تاریخی خط میں لکھ کر روانہ فرمادیں جس میں اپنی دو کتابوں ”حیات اسلامیین اور صیانت اسلامیین“ کی طرف رہنمائی فرمائی: پہلی کتاب شخصی اصلاح اور اور دوسرا کتاب معاشرتی نظام کی اصلاح کے لیے تھیں۔ جب مسلم لیگ ۱۹۴۷ء میں اپنے تینی منصوبے کے تحت صوبوں اور ضلعوں میں ازسرنوشا خیں قائم کر رہی تھی تب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اور بعض دیگر اکابر علمائے دیوبند کے مشورہ سے مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کی حمایت و مدد کرنے کا فتویٰ دیا۔ صف علامے سے یہ پہلی آواز تھی جو مسلم لیگ کی حمایت میں بلند ہوئی جس سے مخالفین کی صفوں میں سراسریگی پھیل گئی کیوں کہ وہ مسلمانان ہند میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا اثر و سوخ اچھی طرح

جانتے تھے۔ ان کے ہزاروں متولین خلفاء جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ عین اسی موقع پر جماعت اسلامی نے گانگریس کی حمایت کر کے تحریک پاکستان کی تائید کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”جب کونسلوں، میونسپلیٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے تو دوسرے معاملات میں کیوں نہیں؟“۔ دارالعلوم دیوبند کی سیاسی جماعت جمیعت علمائے ہند و حضور میں تقسیم ہو گئی؛ ایک جماعت کانگریس کی حمایت ہو گئی جس کی سربراہی مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتا ہے تھے اور دوسری مسلم لیگ کی حمایت میں گھڑی ہو گئی جس کی صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتا ہے تھے۔ ان دونوں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں تھے۔ اس مسئلے پر دونوں فرقیین کے مابین آراء کا اختلاف ہوا، بحث و مباحثہ کی نوبت آئی۔ بالآخر دارالعلوم دیوبند کو اس اختلاف کے اثرات سے دور رکھنے کے لیے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور چند دیگر علمائے کرام نے دارالعلوم سے باضابطہ استغفاری دے دیا اور پاکستان کی حمایت میں اپنے اوقات کو آزادانہ وقف کر دیا۔ بعض مخالفین اس اختلاف کو بیان کر کے اکابر دیوبند کو متهم کرتے اور لوگوں کو علمائے دیوبند اور پاکستان کی حمایت جمیعت علمائے اسلام کو پاکستان دشمن قرار دے کر لوگوں کے اذہان پر گندہ کرتے ہیں، یہ سلسہ تہذیب جاری ہے جو تعصّب کی علامت ہے دونوں اکابر کا اختلاف اخلاص پر منی تھا۔ تحریک پاکستان کی کامیابی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ سب سے پہلے پاکستان کی تائید کرنے والے مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔

مشرقی پاکستان کا جہنمدار نے والے علامہ ظفر احمد عثمانی تھے مغربی پاکستان کا جہنمدار نے والے علامہ شبیر احمد عثمانی تھے حتیٰ کہ قائدِ اعظم مرحوم نے اپنے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ پڑھائیں گیں چنانچہ وصیت کے مطابق علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے ہی قائدِ اعظم کا جنازہ پڑھایا جو کہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قائدِ اعظم سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کے تعاون کے بغیر پاکستان کا بننا محال تھا۔

اس میں شک نہیں کہ تحریک پاکستان میں ہر طبقے کی کوششیں شامل رہی ہیں لیکن جو امتیاز علماء دیوبند کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کے کردار کو جان بوجھ کر فرماوش کیا جا رہا ہے کیونکہ اسلام مخالف سیکولر لا بی اس ملک میں اسلامی نظام نہیں چاہتی، تاکہ نئی نسلوں کے ذہن سے یہ مٹ جائے کہ پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر قائم ہے اور اس میں علماء اسلام کا بہت بڑا کردار ہے۔



از: مقالات حکیم الاسلام  
حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

## مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ

اس میں دورائے نہیں ہیں کہ تحریریک پاکستان کے وقت اکابر علمائے دیوبند و گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک گروہ کی قیادت حضرت مولانا سید حسین احمد مدینی فرمائے ہے تھے جن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پورا ہندوستان ہمارا ہے ہمارے اجداد کی یہاں قبریں ہیں، مسلمانوں نے لگ بھگ سات صد یوں تک ہندوستان پر حکومت کی ہے اس لئے یہیں رہ کر پورے ہندوستان کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جب کہ دوسرا باقیہ مسلم لیگ کے ساتھ تھا جس کی قیادت حضرت حکیم الاسلام مولانا اشرف علی خانویؒ، مفتی محمد شفیع عثمانی، علامہ شیر احمد عثمانی اور علامہ ظفر احمد عثمانی ہیے اکابر فرمائے تھے، علمائے دیوبند کے دونوں دھڑکے ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ پورے اخلاق سے اپنے اپنے موقف پر نہ صرف ڈٹے ہوئے تھے بلکہ اس کی کامیابی کے لئے دن رات ایک لئے ہوئے تھے۔ مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر آپ کو تحریریک پاکستان میں اکابر علمائے دیوبند کے کردار کا اندازہ ہوگا۔

تاریخ پاکستان میں نازک ترین دور وہ تھا جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے ایکشن بالکل قریب آگئے تھے اور کاغدر میں اس ایکشن میں مسلم لیگ کو ناکام کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی، اس وقت حالات کتنے پریشان کن تھے ان کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے جو خواجہ آشکار حسین صاحب کے اس مقالے سے نقل کیا جاتا ہے جو انہوں نے نوابزادہ لیاقت علی خان کی بررسی پر رسالہ نقاد میں شائع کرایا تھا اور جسے بعد میں اخبار پیام مورخہ 19 اکتوبر 1955 نے نقل کیا خواجہ صاحب

لکھتے ہیں....

”پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے ایکشن میں سب سے زیادہ مقابلہ خود لیاقت علی خان کے حلقے میں تھا مقابل امیدوار محمد احمد کاظمی تھے کاگر بیس کی جانی و مالی امداد انہیں حاصل تھی روپیہ پانی کی طرح بھایا جا رہا تھا مزید برآں یہ علاقہ مولوی زادہ اور پیرزادہ سے بھر پور تھا اور ان کی اکثریت مسٹر کاظمی کے ساتھ تھی لیکن مقابلے میں لیگ کیا انتخابی مشنری کا کوئی پرزہ بھی درست نہ تھا لیاقت علی خان دہلی سے باہر نہ کل سکتے تھے انہیں پورے ملک کے انتخابات کی فکر تھی اپنے حلقے کا کیسے خیال ہوتا؟ جب حالات بدتر ہونے لگے تو انہیں سنبھالنے کیلئے علی گڑھ سے طلباء کی یلغار ک گئی مجھے پروفیسر جلیم نے ایک وفد کے ساتھ روانہ کیا خورجہ بلند شہر، ہاپڑ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حالات کا کہیں نام و نشان نہیں آخر مظفر نگر پہنچ کر ہدایات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا وہاں بھی یہی بد حالی تھی لیاقت علی خان کے مینبج سردار اکرم خان ان کے صاحبزادے امیر اعظم خان اور طلباء علی گڑھ کے سربراہ پروفیسر عمر سب دم بخود تھے فیصلہ ہوا کہ پروفیسر دہلی جا کر لیاقت علی خان کو لا کیں اور دوسری طرف کسی نہ کسی طرح حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اپنی موافقت کا حاصل کیا جائے کیونکہ تھا علامہ عثمانی کی تائید اس حلقے میں خصوصاً مظفر نگر اور سہارنپور میں ناکافی تھی دیوبند جاتے ہوئے سب کو ڈر لگتا تھا قرعہ فال میرے نام پر پڑا میں وہاں پہنچا دو دن کی روقدح کے بعد میں نے فتویٰ حاصل کیا اور اسے اخبارات میں بھیج کر اور ضروریات

کے مطابق چھپوا کر ہم سہار نپور پہنچ وہاں حامیان لیگ نے کہا کہ یہاں مفتی محمد شفیع صاحب کا فتوی ضروری ہے اس کے بغیر بھی کام نہ چلے گا میں نے دیوبند جا کر مفتی صاحب کا فتوی حاصل کیا اور سہار نپور پہنچ کر اس کی طباعت کے انتظامات کرائے ۔

27 نومبر 1945ء کو پونگ ہونے والے تھی 24 نومبر کو لیاقت علی خان سہار نپور پہنچ میں فوراً اُٹاک پہنچا لیاقت علی خان نے مصافحہ کیا اور بغل گیر ہوئے اور پھر سب سے پہلے انہوں نے مولانا قاری طیب صاحب والے فتوی کی مبارکباد دی میں نے فوراً مفتی محمد شفیع صاحب کا فتوی بھی پیش کر دیکھ کر وہ اچھل پڑے ۔

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم لیگ کیلئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کی تائیدی فتوؤں اور ان علمائے ربانی کی تائید و حمایت کئے بغیر یہ تاریخی ایکشن جیتنے قریباً ناممکن تھے ان اکابر علماء کے فتوؤں اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے دوروں نئے رائے عامہ کو مسلم لیگ کی تائید پر مجبور کر دیا اور نواب زادہ لیاقت علی خان اپنے بے غرض اور مخلص دوستوں، ہمدردوں اور علمائے کرام کی مساعی جیلے سے تین ہزار روپلوں کی اکثریت سے کانگریس کے نمائندے کے مقابلے میں جیت گئے یہ کانگریس کی حامی جمیعت علمائے ہند کے مقابلے میں جمیعت علمائے اسلام کی پہلی شاندار کامیابی تھی جوانہی دنوں تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر قیادت مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی اگر جمیعت علمائے اسلام کے یہ اکابر علماء مجاہد پر مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام نہ کرتے تو یہ ایکشن جیتنا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ لیاقت علی خان نے اس عظیم الشان کامیابی پر ان حضرات علمائے کرام کو مبارک بادی تاریخیجے اور بعد میں مولانا ظفر احمد عثمانی نائب صدر جمیعت علمائے اسلام کے نام ایک مفصل خط شکریہ کے طور پر لکھا جس میں کھلے الفاظ میں ان علمائے ربانی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے آپ نے خط لکھا ہے کہ:

”اس کامیابی پر میں آپ حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں خصوصاً ان

حلقہ انتخاب میں جہاں سے ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ  
حضرات علماء کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی  
حد تک ختم کر دیئے قائد ملت لیاقت علی خان کا یہ خراج تحسین ان ارباب  
غرض کیلئے جو آج پاکستان سے علمائے کرام کا اثر و رسوخ مٹانے کے  
درپے ہیں سرمد بصیرت اور تازیانہ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔“

(مانوڈ: تعمیر پاکستان اور علمائے رباني )

محترم بزرگ مورخ جناب مشی عبد الرحمن خان صاحب مظلہ اس سلسلے میں اپنی تالیف معمار ان  
پاکستان میں لکھتے ہیں کہ:

”پاکستان کے نام پر جو پہلا ایکشن نومبر 1945ء میں لڑا گیا تھا اگر اس  
ایکشن کیلئے مولانا ظفر احمد عثمانی خود باہر نہ نکلتے اور مولانا شیعراحمد عثمانی  
مولانا قاری طیب اور مولانا مفتی شفیع جو لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب  
سہارنپور، دیوبند، مظفرنگر، بلندشہر اور ڈیرہ دون وغیرہ کے بے تاج بادشاہ  
کی حیثیت رکھتے تھے لیاقت علی خان کی پشت پناہی نہ کرتے تو  
کانگریس مسلم لیگ کو برلوں، ٹاناؤں کے روپوں اور دوسرا مسلم  
جماعتوں کے تعاون سے شکست فاش دینے میں کامیاب ہو جاتی ان  
حضرات کے فتوؤں اور تقریروں سے نواب زادہ لیاقت علی خان تین  
ہزار و ٹوں کی اکثریت سے یہ ایکشن چیت گئے اور مسلم لیگ کو بے نظیر  
اور جمیعت علمائے اسلام کو پہلی تاریخی فتح نصیب ہوئی جس پرسب سے  
پہلے نواب زادہ لیاقت علی خان نے ان حضرات کو مبارک بادی کا تاریخ دیا  
اور پھر مفصل خط حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام ارسال کیا جس میں

ان حضرات کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور خدمات جلیلہ کا کھلا اعتراف کیا ہے۔

بہر حال ان حضرات کیلئے یہ حقائق سرمه بصیرت کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے

ربانی کے اظہر میں اشمس کارنامول پر دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ (معماران پاکستان ص: 432)

حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

”بر صغیر میں مسلمانوں نے جب اپنے حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد کا

آغاز کیا اور قائد اعظم مرحوم کی قیادت میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی

قیادت کا بیڑہ اٹھایا تو اس وقت جن علمائے کرام نے مسلمانوں کی اس

نمائندہ جماعت کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات ان کے سپرد کیں ان میں

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

، صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عنانیؒ ، صدر مفتی

دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ ، دارالعلوم دیوبند

کے مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور حکیم الامت حضرت

تھانویؒ کے دوسرے تمام خلفاء و مجازین شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عنانیؒ

، مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور دیگر اکابر

دیوبند کے اسمائے گرامی خاص طور پر قبل ذکر ہیں ان علمائے دیوبند

نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پاکستان کے

پر جوش حامی رہے اور کانگریس کی ڈٹ کر مخالفت کی پاکستان کا وجود

انہی حضرات کا مر ہون منت ہے اگر یہ حضرات پاکستان کے قیام کیلئے

جدوجہد نہ کرتے تو پاکستان کا قیام بہت مشکل تھا۔

(ذکر طیب ص: 4 7 2)



اور یا مقبول جان

## دین اذان میں کبھی یورپ کے کلیساوں میں

قسطنطینیہ جسے آج کی دنیا استنبول کے نام سے جانتی ہے۔ سید الانبیاء کی زبان مبارک سے اس شہر کا ذکر کئی حوالوں سے ہوا ہے اور یہ آپ کی پیش گوئیوں کی حقانیت کا امین ہے۔ یہ شہر آپ کی پیش گوئیوں کے مطابق 1453ء میں فتح ہوا۔ لیکن اس عظیم شہر کے بارے میں باقی تمام احادیث اس بڑی جنگ ”ملحمة الکبریٰ“ سے متعلق ہیں جس میں یہ شہر ایک بار پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیگا اور سیدنا امام مهدی کی فتوحات میں فتح ہونے والا آخری شہر یہی ہو گا۔ قسطنطینیہ جو اس وقت استنبول کہلاتا ہے اس کی ایک عمارت آیا صوفیہ گذشتہ دو ہزار سال سے تاریخ کے لاتعداد مناظر دیکھ چکی ہے۔ آیا صوفیہ 481 سال تک مسلمانوں کے مسجدوں سے آباد رہی، لیکن 1931ء میں اتنا ترک نے اپنی اسلام دشمنی میں پہلے اس پرتالے لگائے اور پھر 1935ء میں اسے ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔ اب دوبارہ اس کے بیناوں سے اذان کی صدا بلند ہوئیوں والی ہے۔ قسطنطینیہ کا شہر اور یہ عمارت ”آیا صوفیہ“ مسلمانوں کے عروج وزوال کی کہانی تو سناتی ہے لیکن ساتھ ساتھ عظیم بازنطینی روی شہنشاہیت کے زوال کی بھی داستان بیان کرتی ہے۔ یہ شہر ایشا اور یورپ کے سُنگھم اور آبانے پاسفوس کے کنارے آباد کیا گیا۔ اس جگہ کا انتخاب رومن بادشاہ قسطنطین نے کیا تھا۔ قسطنطین جب تدبیر رومن شہنشاہیت کے تحت پر بیٹھا تو پورے ملک میں خانہ جنگلی عروج پر تھی اور بادشاہت بکھر چکی تھی۔

اسی دور میں عیسائی راہب رومی بادشاہوں کی عیاشی، اخلاق باخنگی اور معاشرتی فناشی سے نگہ آئے ہوئے عوام میں دن بدن مقبول ہوتے جا رہے تھے۔ اس دور کے عیسائی راہب صلیب نہیں اٹھاتے تھے، بلکہ ان کے جھنڈوں پر سواستیر کی طرح ایک ستارہ ہوتا تھا۔ قسطنطین کی افواج اس خانہ جگی میں پر در پے شکست کھا رہی تھیں کہ میلان کے مقام پر اس نے ایکدم یہ اعلان کیا کہ اس نے رات کو خواب میں آسمان پر عیسائیت کا نشان چمکتا ہوا دیکھا ہے، جس کی تعبیر کے تیجے میں اس نے عیسائیت قبول کر لی اور ہتھیاروں پر برکت کے طور پر عیسائیت کا نشان بھی کندہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد جب وہ مقابل فوج پر میلوین پل (Melvin Bridge) کے مقام پر حملہ آور ہوا تو فتح یاب ہو گیا۔ اسی فتح کے بعد ہی وہ 312 عیسوی میں متحده روم کے تخت پر جلوہ گر ہوسکا۔ اس نے آتے ہی عیسائی راہبوں کے قتل عام کا حکم منسون کر دیا اور عیسائیت کی ترویج، بائیبل کی تدوین اور مذہب کی بنیاد پر قانون سازی شروع کر دی۔ اس کی والدہ ہلین (Helen St.) نے ایک راہبہ کی حیثیت سے خود کو عیسائیت کے لئے وقف کر دیا، لیکن رومی سیاست کی وجہ سے اعلان نہ کر پائی تو قسطنطین نے اسے بہت سا سرمایہ اور سپاہی دے کر فلسطین بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش پر ایک گرجا گھر (Basilica Of The Nativity) تعمیر کرے۔ یہ گرجا گھر بیت اللحم فلسطین میں آج بھی تمام عیسائی گروہوں کا مقدس ترین مقام تصور ہوتا ہے۔

قسطنطین نے قدریم روم کی بجائے آبنائے باسفورس کے کنارے اس علاقے کو 324 عیسوی میں اپنے دارالحکومت کے طور پر منتخب کیا۔ یہ دراصل یونانیوں کا آباد کیا ہوا شہر، بازنطین (Bazantium) تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر سے حکمرانی کرنے والے رومی بادشاہوں کو بازنطینی حکمران کہا جاتا ہے۔ روم بادشاہت اب دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے ساتھ عیسائیت بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک بازنطینی جن کا دارالحکومت قسطنطینی تھا اور ان کا مذہب آرتھوڈوکس عیسائیت تھی، جبکہ دوسری بادشاہت کا مرکز روم تھا جب کا مذہب کیتوک عیسائیت تھی۔ بازنطینی بادشاہت کا پہلا اہم ترین بادشاہ جیلنین اول تھا۔ اس نے 532 عیسوی میں آرتھوڈوکس چرچ کے مرکز کے طور پر یہ عمارت ”آیا صوفیہ“ تعمیر کرنے کا حکم دیا جو

537 عیسوی میں مکمل ہوئی۔ جسٹیسین جب تکمیل کے بعد اسے دیکھنے کے لئے اندر داخل ہوا تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گیا، جس پر اس نے غرور سے کہا ”سلیمان میں تم پر سبقت لے گیا“۔ اس کا اشارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف تھا جنہوں نے بیت المقدس تعمیر کیا تھا۔ آرٹھوڈوکس عیسائیت کے مرکز کے طور پر یہ عمارت تقریباً نو سال رہی۔ خلافت عثمانیہ کے سلطان محمد فاتح نے 1453ء میں قسطنطینیہ فتح کیا تو شہر کی عیسائی آبادی اس عمارت میں گھس گئی۔ ان کا ایمان تھا کہ اس کے گنبد سے ایک فرشتہ اس وقت تواریخ کے اس سال میں گزرتا ہوا اس مسجد کے گنبد والے ہاں میں داخل ہوا اور اس نے وہاں کھڑے ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے، گنبد والے فرشتے کے منتظر عیسائیوں کے لئے دیے ہی فقرے بولے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت بولے تھے کہ ”آن تم سے کوئی مواخذہ نہیں، تم سب امان میں ہو۔“

آیا صوفیہ میں موجود عیسائی خاندان جو اپنی موت اپنے سامنے دیکھ رہے تھے، سلطان کے اس اعلان پر پھوٹ پھوٹ کرو نے لگ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ قسطنطینیہ جو کبھی عیسائی تہذیب کا مرکز تھا آج وہاں صرف 2.0 فیصد عیسائی ہیں اور وہ بھی باہر سے آئے ہوئے آریاناً آباد کار۔ سلطان محمد فاتح جمعہ کے دن فجر کے وقت آیا صوفیہ میں داخل ہوا تھا، اس نے کہا کہ چونکہ یہ شہر ہم نے حضرت عمرؓ کے عیسائیوں سے معاهدے کے تحت بیت المقدس حاصل کرنے کی طرح حاصل نہیں کیا بلکہ لڑ کر فتح کیا ہے اس لئے ہم عبادت گا ہوں کے ضمن میں، ہم جمعہ کی نماز یہاں ادا کریں گے۔ اس دن سے ساڑھے چار سو سال تک یہ جگہ اذانوں سے گونجتی اور سجدوں سے مزین رہی۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے 1931ء صرف اسلام دشمنی میں اسے بند کیا۔ وہ اسے واپس گرجا گھر بنانا چاہتا تھا، لیکن ایک تو وہاں عیسائی آبادی نہ ہونے کے براثتی اور دوسرا مسلمانوں کا دباؤ۔ جنگِ عظیم اول کے بعد آبادی کا بہت بڑا ایک تباولہ ہو چکا تھا جس کے تحت دس لاکھ عیسائی یونان چلے گئے تھے اور تین لاکھ مسلمانوں کو ترکی بلالیا گیا تھا۔ عیسائیوں کی غیر موجودگی میں آیا صوفیہ ایک بے آباد گرجا گھر ہی رہتا۔ اتاترک کی اسلام دشمنی اس قدر تھی کہ اس نے گرجا بنانے میں ناکامی کے

بعد اسے مسجد کی بجائے ایک عجائب گھر بنادیا۔ آج طیب اردوگان کی حکومت 85 سال بعد دوبارہ اس سائز ہے چار سو سالہ مسلم تاریخ کو زندہ کرنے جا رہی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں کبھی افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں میں

بہت سے سیکولر لبرل تملکائیں گے۔ شور پچے گا، لیکن آثار قدیمہ کے عالمی اصولوں کے مطابق تمام قدیمی عمارتیں اور نوادرات اس ملک کی ملکیت ہوتے ہیں جہاں وہ پائے جاتے ہیں اس لئے آیا صوفیہ بھی مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ آج کے دور میں ملکیت ہی عمارت کا مصرف بتاتی ہے۔ یورپ کے صرف ایک شہر لندن کے پانچ سو بندگر جاگھروں میں 423 کو مسلمانوں نے خرید کر مسجد بنایا اور آج ان میں نمازیں ادا ہو رہی ہیں۔ یہ تو باہم رضامندی سے ہوا، لیکن پسین سے جب مسلمانوں کو زبردستی نکالا گیا تو وہاں کی تین ہزار مساجد کو گرجا گھر بنادیا گیا۔ ان کی تفصیل جسٹن کروسین (Justin Kroesen) نے اپنی کتاب (Mosques To Cathedral) میں دی ہے۔ کیا یہ سیکولر اور لبرل ما فیا پسین کی تین ہزار مساجد کو مسلمانوں کے اختیار میں دینے کے لئے آواز بلند کرے گا۔

بابری مسجد میں اذان کی آواز کے لئے جلوس نکالے گا۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ دنیا ہر سیکولر، لبرل اور لا دین اصل میں مذہب دشمن نہیں ہے بلکہ اسلام دشمن ہے۔ اسے کرسمس کی رونق، ہولی کے رنگ اور دیوالی کے دیپ اچھے لگتے ہیں لیکن اسے مسلمانوں کی اذان سے لے کر بکروں کی قربانی تک ہر چیز سے نفرت ہے۔ آیا صوفیہ میں پچانوے سال بعد بلند ہونے والی اذان ایک ایسے شہر سے اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے جو ایک ہزار سال تک یورپی تہذیب کا مرکز رہا تھا۔



ریگیزار قلم  
سفیان علی فاروقی

## آیا صوفیہ

### تاریخ، شبہات کا ازالہ، حقائق سے عقدہ کشائی

حق و باطل کی آویزش روز ازل سے جاری ہے اور تابع ابد جاری رہے گی کائنات انسانی کا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں باطل اپنے مادی اسباب کی فراوانی کی رونوٹ میں مبتلا ہو کر نارنہرو دمیں عشق برائی ہی کو خاکستر کرنے کی ناپاک کوشش نہ کرتا ہو مگر نیلگوں آسمان کو وسعتیں عطا کرنے والا پروردگار، حیرت کدہ عالم میں موجود دانش کدوں کو نیرنگی دوراں کی بولقوںیوں کی نیجہتوں سے روشناس کرواتے ہوئے آگ کو گزار بناؤ کر تیری گی شب سے ایسی شمع فروزان کرتا ہے کہ جس کی معانیت سے چار دنگ عالم منور ہوتا چلا جاتا ہے اور یہی اس کائنات کا سب سے بڑا سچ ہے کہ ثبات اور دوام صرف اور صرف خلاق عالم کو ہے۔ آیا صوفیہ بھی انہی نشانیوں میں سے ایک ہے جسے تعمیر، اسلام دشمنی کے مرکز کے طور پر کیا گیا مگر یہاں سے سطوت اسلام کے زمزمه بہنے لگے۔

آیا صوفیہ کی تعمیر کے حوالے سے مفتی اعظم جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”جهان دیدہ“ میں رقم طراز ہیں کہ:

”آیا صوفیہ کی بنیاد تیسری صدی عیسوی میں اسی رومی بادشاہ قسطنطین نے ڈالی جوروم کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا قسطنطین نے اس جگہ سن 360ء میں ایک لکڑی کا بنا ہوا کلیسا تعمیر کیا، چھٹی صدی میں یہ کلیسا جل گیا تو اسی جگہ قیصر جملہ نے 533ء میں اسے پختہ تعمیر کرنا شروع کیا اور اس کی تعمیر پانچ سال دس مہینے میں مکمل ہوئی، دس ہزار معمار اس کی تعمیر میں مصروف ہوئے، دس لاکھ پاؤندھ خرچ آیا اس کی تعمیر میں قیصر نے دنیا کے متنوع سنگ مرمر استعمال کئے چنانچہ خریجہ کا سفید، لکونیا کا سبز، لمبیا کا نیلا، سلسلک کا سیاہ، اور باسفورس کا سیاہ دھاری والا سنگ مرمر، مصر کا سنگ تارہ اور سنگ سماق منگوا کر استعمال کیا۔“

جہاں تک قسطنطینیہ (بازظین) پر اسلامی لشکر کشی کا تعلق ہے تو اس سے پہلے ضروری ہے کہ اس وقت کے علمی تناظر کو بھی مختصرًا مذکور رکھنا چاہئے جس کی صرف ایک مثال سے سارے منظرنامے کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس واقعہ سے کچھ عرصہ قبل اسلامی علوم و فنون کی آمادگاہ اندرس کے سقوط کے بعد سے فتح قسطنطینیہ تک طیا طبلہ کی فقیدالمثال جامع مسجد کو گرجا بنا دیا گیا، قرطبہ کی عظیم الشان درسگاہ اور جامع مسجد کو کنیسہ کا درجہ دیئے جانے سمیت تقریباً 3000 مساجد کو جرأۃ مسلمانوں سے چھین کر کنیسہ، گرجا گھر، عجائب خانہ، اسٹبل اور سرائے میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور یہ مسلمانہ ہنوز جاری تھا۔

آیا صوفیہ عیسائی فرقہ آرتھوڈوکس کلیساۓ کا عالمی مرکز اور عالم اسلام کے خلاف سازشوں، ریشه دو ایوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا اور اس کا مسخر ہونا بہت ضروری تھا اس کے ساتھ ساتھ قسطنطینیہ کے متعلق بہت سی احادیث بھی ملتی ہیں جن میں اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کو بشارتیں دی گئی ہیں اور تقریباً ہر مسلم خلیفہ کی کوشش رہی کہ یہ مقدس فریضہ ان کے دور حکومت میں ادا ہو جائے چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں فتح قسطنطینیہ کی غرض سے لشکر کشی شروع ہوئی، سب سے زیادہ حملے اموی دور حکومت میں ہوئے، دوبار عباسی دور میں بھی محاصرہ کیا گیا، مگر یہ سہرہ ساتویں عثمانی سلطان، سلطان محمد فاتح علیہ رحمۃ اللہ کے سر جا اور اس نے 29 مئی 1453ء کو ایک طویل محاصرہ اور شنیدی جنگ کے بعد قسطنطینیہ کو فتح کر لیا اس وقت سلطان محمد فاتح کی عمر 22 سال تھی (موجودہ دور کے نوجوانوں کی لئے یہ ایک عمدہ مثال ہے جن سے آخر تک یہ فیصلہ نہیں ہوا تاکہ زندگی کو کس شعبہ کیلئے کس نجح پر وقف کیا جائے) اور یہ واقعہ پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں پیش آیا، یہ جنگ کیسے ہوئی، کن مرحل سے گزری، شہادتیں کتنی ہوئیں، اس کی طوالت کتنی تھی، اسلام اور کفر کا یہ تاریخی اور دور اثر معمر کہ کیسے سر ہوا؟ اس پر مستقل کتابیں موجود ہیں جن سے استفادہ کرنا تقویت ایمان کا باعث ہے۔

آیا صوفیہ چونکہ تعمیر اور ابتداء کے لحاظ سے کلیساۓ تھا اور بعد میں اسے مسجد میں تبدیل کیا گیا تو اس پر میڈیا میں زور و شور کی بحث جاری ہے اور دونوں طرف دلائل کے ابناؤں کے جاری ہے ہیں لیکن کچھ چیزیں ابہام میں ہیں جن کی عقدہ کشاںی ضروری ہے جس میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فتح کی دو صورتیں مروج ہیں ایک توصل کے ذریعے فتح جیسے بیت المقدس کی فتح اور دوسری بزرگ شمشیر اب ان کے چند احکامات بھی مختلف ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ صلح کے ذریعے فتح کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ فریقین کے درمیان ہونے والے معاهدے کی بہر صورت پاسداری ضروری ہے لیکن بزرگ شمشیر مسلم حکمران کو تصرف اور عبادت گاہوں کو ان کی حالت میں برقرار رکھنا دونوں ہی اختیار حاصل ہوتے ہیں تاکہ حالات کے مطابق بہتر فیصلہ ہو سکے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ عیسائیوں کے ہاں اپنی عبادت گاہ کو فروخت کرنا جائز ہے جس کی قدیم اور جدید میں بے شمار مثالیں موجود ہیں اور شنید یہ بھی ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں یورپ میں تقریباً 300 کلیسا اور خرید کر مسلمانوں نے مساجد میں تبدیل کر دی ہیں۔

تیسرا اہم بات آثار قدیمہ کے علمی اصولوں کے مطابق تمام قدیمی عمارتیں اور نوادرات اس ملک کی ملکیت ہوتے ہیں جہاں وہ پائے جاتے ہیں۔

چوتھی بات اگر کسی عبادت گاہ کے مانے والے ملک بدر کر دیئے جائیں یا جنگ میں مارے جائیں تو اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اسلامی حکومت اس عمارت کو افادہ عام کے کسی بھی سلسلہ میں استعمال کر سکتی ہے۔ پانچویں بات سلطان محمد فاتح نے کلیسا، کی چیزوں اور نشانیوں کو ختم نہیں کیا تھا بلکہ عبرت کیلئے محفوظ کر دیا تھا تاکہ آنے والی نسلوں کو عہد رفتگی یاد تازہ رہے اور نہ میوزیم بنانے والے نوادرات باہر سے لائے جاتے اور وہ آیا صوفیہ کے متعلق نہ ہوتے۔

چھٹی بات ترکی میں مقیم پاکستانی نژاد صحافی رانا فیصل صاحب نے فون پر بتائی کہ کمال اتا ترک نے آیا صوفیہ کو بند کیا تھا، 6 مرتبہ ترکی کے وزیر اعظم رہنے والے عصمت اونو، نے ایک مبینہ خط کو جو کمال اتا ترک کی طرف منسوب تھا کو بنیاد بنا کر 1939ء میں میوزیم بنایا اور حال ہی میں دانش تائے میں دائر کی گئی پیشہ میں جہاں آیا صوفیہ کو مسجد کی حیثیت سے بحال کرنے کی دیگر وجوہات ذکر کی گئی تھیں وہاں اس کو بھی بطور خاص ذکر کیا گیا تھا۔ بہر حال آیا صوفیہ تقریباً ایک ہزار سال چرچ، پونے پانچ سو سال مسجد، 85 سال میوزیم رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر تو حیدر سالت کے زمزموں سے گونج اٹھی ہے اور اس گونج نے جہاں اسلام دشمن قتوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں وہیں نفاذ اسلام کی جانب بڑھتے قدموں میں ایک نئی تازگی اور روح پھونک دی ہے، یہ ایک پیغام بھی ہے ان شر کی طاقتوں کیلئے جو اپنے مادی اسباب کی برتری کے گھنٹہ میں اسلام کو مٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کوئی انہیں خبر کر دے کہ اللہ اکبر کی صداوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دنیا کا مقدر یہی ہے اور یہ ایک خوشخبری بھی ہے ان صفوں شکن، جفاش لوگوں کیلئے جو گذشتہ ڈیڑھ صدی سے باطل قتوں سے برس پیکار ہیں، پچھلی چار صدیوں میں عموماً اور ڈیڑھ صدی میں خصوصاً عالم اسلام پر چھائے ظلم و تم کے بادلوں کے چھٹے کا وقت ہوا چاہتا ہے کوئی جائے اور جا کر اس آخری ڈیڑھ صدی میں جرم کلمہ گوئی کی پاداش میں شہید ہونے والوں کی قبروں پر جا کر صد الگا دے کہ تمہارے لہو نے رستہ بنادیا ہے۔



**فتویٰ: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ**

## اراضی کشمیر کی فروخت کے حوالے سے تاریخ ساز فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کشمیر اور اس کے باشندوں پر بھارت کے مظالم کے مختلف پہلو دنیا کے سامنے ہیں، کشمیری عوام کو عالمی برادری سے مکمل طور پر لاک ڈاؤن کے ذریعہ منقطع کردیا پوری دنیا میں اس کی مسلمہ حیثیت کو مسخر کرنے جتوں نے ظالموں کو آئینہ تک ناقص تبدیل کرنے پر آمادہ کیا، مہذب قوموں کی اقدار کی نہایت مکروہ پامالی ہے۔ اب اس سلسلے کی اگلی کڑی یہ ہے کہ بھارت کے ہندوؤں کو کشمیر میں زمین خریدنے کا قانون پاس کیا گیا ہے گویا فلسطین کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اس طرح کا حق جب یہودیوں کو دیا گیا تو انہوں نے اسے فلسطین پر اپنا غاصبانہ قبضہ جانے میں ایک اہم حصہ کیا اب سوال یہ ہے کہ ایسے میں کیا کسی کشمیری مسلمان کیلئے یہ شرعاً جائز ہے کہ بھارت کے ہندو کو اپنی زمین فروخت کرے؟

جواب: کشمیر شروع سے ایک مسلمان ریاست ہے جو کسی بھی حیثیت سے بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ اقوام متحده کی قراردادیں اور خود بھارتی آئین کی دفعات 370 اور 1351ءے اس بات کو تسلیم کرتی ہیں اب بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم و جبر کر کے انہیں بدترین کر فیو اور لاک ڈاؤن کا نشانہ بنایا اور بھارت کے آئین میں تبدیلی کر کے اسے بھارت کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے اور اب یہ کوششیں ہو رہی ہیں کہ کشمیر میں بھارتی ہندوؤں کو اسی طرح لا کر آباد کیا جائے جس طرح صہیونی یہودیوں نے فلسطین کی زمینوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے جلاوطن کیا اور اسرائیل کی ناجائز ریاست قائم کر لی۔

ان حالات میں کشمیر کے مسلمانوں کے لئے سخت ناجائز ہے کہ وہ اپنی زمینیں کسی ہندو کو فروخت کریں

ایسا کرنا نہ صرف کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ بلکہ پورے عالم اسلام کے ساتھ گینین غداری کے مراد ف ہو گا۔ قرآن و سنت کے احکام اور ان پر مبنی فقہاء کرام کی عبارتیں اس بارے میں بالکل واضح ہیں کہ کفار کے ہاتھوں کوئی بھی ایسی چیز بیچنا جسے وہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف استعمال کر سکتے ہوں سراسر ناجائز اور بدترین گناہ ہے سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ:

”اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کو محبت کے پیغام بھینجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے انہوں نے اس کو اتنا جھٹلا یا ہے کہ وہ رسول کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (کے سے) باہر نکلتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو، تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو اور جو کچھ اعلانیہ کرتے ہو میں اس سب کو پوری طرح جانتا ہوں اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا کرے وہ راہ راست سے بھٹک گیا اگر تم ان کے ہاتھ آ جاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے اور اپنے ہاتھ اور زبان میں پھیلا پھیلا کر تمہارے ساتھ برائی کریں گے اور ان کی خواہش یہ ہے کہ تم کافر بن جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں ہرگز تمہارے کام آئیں گی اور نہ تمہاری اولاد اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے پوری طرح دیکھتا ہے تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سواتم جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے شمنی اور بغرض پیدا ہو گیا ہے جن تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ، البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ میں آپ کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا ضرور مانگوں گا اگرچہ اللہ کے سامنے میں آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار آپ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور آپ ہی کی طرف ہم رجوع ہوئے ہیں اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تحفظہ مشتمل نہ بنائیے اور ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرمادیجئے یقیناً آپ اور صرف آپ کی ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے جس کی حکمت بھی کامل۔“ (المتحف 5-1)

پھر اسی سورت میں آگے ارشاد فرمایا:

اللہ تمہیں اس بات سے منع کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکلا، ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں اپنے گھروں سے نکلا ہے اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے تم ان سے دوستی رکھو اور جو لوگ ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔ (المتحنہ 8-9)

ان آیات کریمہ میں اس بات پر سخت و عید بیان فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کسی برسر جنگ غیر مسلم سے دوستی کا کوئی ایسا معاملہ کرے جس نے مسلمانوں پر ظلم روا رکھا ہو اور جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظالم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ حالات کے پس منظر میں بھارت کے ہندوؤں کو اپنی زمین بچانا ان کی اس ظالمانہ منصوبہ بندی میں تعاون کرنا ہے جس کے تحت وہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قرآن کریم کا دوڑوک حکم ہے کہ:

ترجمہ:

”اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیٹک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔“ (المائدہ 2)

نیز ارشاد فرمایا:

ترجمہ:

وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے۔ (النساء 139)

ترجمہ:

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کر دو؟۔ (النساء 144)

ترجمہ:

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنار کھا ہے اور کافروں کو یار و مددگار نہ بناؤ اور اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ (المائدہ 57)

اگر کوئی کافر مسلمانوں کو ایسا ہدیہ تھا جس سے مسلمانوں کا اجتماعی مفاد محروم ہوتا ہو تو ایسا ہدیہ یہ لینا بھی جائز نہیں ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک مشرک نے آپ کو ایک اونٹی تختے میں دینی چاہی تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس تختے کو واپس کر دیا کہ:

ترجمہ:

لیعنی مجھے مشرکین سے تختے لینے سے منع کیا گیا ہے۔ (جامعہ الاصول ج 11 ص 610، حدیث

(9225)

جب مسلمانوں کے مفاد کے خلاف مشرکین سے بلا معاوضہ ہدیہ تختے لینے کو منع کیا گیا ہے تو ان کو اپنی جائیداد پنج کرنے کا حکم ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازش کیلئے خرید رہے ہوں، کیسے جائز ہو سکتا ہے اس وقت صورت حال یہی ہے کہ ان کا کشمیر کی زمین خریدنا کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک گھری سازش کی وجہ سے ہے تاکہ مسلمانوں کی اکثریت کو ختم کیا جائے۔ ایسے میں انہیں زمین بیچنا بالکل حرام اور مسلمانوں سے ساتھ غداری کے مراد فہمی ہے۔

اسلامی شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں قانونی طریقے سے رہتے ہوں ان کو تمام شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان کی جان و مال کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے چنانچہ ان کو حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے محلے میں زمین خرید کر وہاں رہ سکتے ہیں، لیکن اگر کسی ایک کسی ایک علاقے میں ان کا ایسا اجتماع ہو جائے جس سے خطرہ ہو کہ وہ اسلامی ریاست کے خلاف کوئی سازش کر سکتے ہیں تو فقهاء کرام نے فرمایا کہ غیر مسلم شہریوں کو مسلمانوں کے علاقے میں گھر خریدنے اور وہاں رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد فرمایا:

ترجمہ:

لیعنی یہ حکم اس وقت ہے جب غیر مسلموں کی تعداد اتنی کم ہو کہ اس سے مسلمانوں کی بعض جماعتیں معطل یا کم نہ ہو سکیں لیکن اگر ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ اس سے مسلمانوں کی کچھ جماعتوں کا معطل ہونا یا مسلمانوں کا کم رہ جانا لازم آتا ہو تو انہیں اس بات سے روکا جائیگا اور ایسی جگہ رہائش اختیار کرنے کو کہا جائیگا جہاں مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور یہ حکم امام ابو یوسف<sup>ؓ</sup> سے قابلِ اعتماد طریقے سے منقول ہے۔

(شرح السیر الکبیر للسرخی 4:265)

یہ ان غیر مسلموں کی بات ہے جو ذمی کی حیثیت سے اسلامی ریاست میں رہ رہے ہوں جب ذمیوں کیلئے یہ حکم ہے تو وہ کفار جو دارالکفر میں رہتے ہوں اور مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کے طور پر کشمیر

میں آباد ہونا چاہتے ہوں تو ایک مسلمان کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں اپنی زمین نیچے، چاہے وہ اس کی اتنی بھاری قیمت دی پئے کوتیار ہوں ایسا کرنا سخت گناہ تو ہے، ہی، پر لے درجے کی بے غیرتی بھی ہے۔

جب یہودی لوگ فلسطین میں مسلمانوں سے زمینیں خرید رہے تھے اس وقت عالم اسلام کے بڑے علماء نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ انہیں زمین بیچنا جائز ہے۔ چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک مفصل فتویٰ اس بارے میں موجود ہے جو امداد الفتاویٰ میں چھپا ہوا ہے اس کے آخر میں وہ ذمیوں کا مذکورہ بالا حکم نقل کر کے فرماتے ہیں:

ترجمہ:

جب ذمیوں کا یہ حکم ہے جو اسلامی قانون کے زیر نگین ہوتے ہیں تو جو غیر مسلم ذمی نہیں ہیں (یعنی غیر مسلم ملک کے باشندے ہیں) ان کا حکم کیا ہو گا جب کہ انہوں نے اسلام کا کوئی قانون تسلیم نہیں کیا۔  
(امداد الفتاویٰ 3:60)

بہر حال! بھارتی حکومت ریاست کشمیر کی وہ حیثیت ختم کرنے کے درپے ہے جو وہاں کے مسلمان باشندوں کا پیدائشی حق ہے اور نہ صرف عالمی طور پر مسلم ہے بلکہ بھارت کے اصل دستور بھی اس کی گواہی دیتا ہے اسی غرض سے اس نے بھارتی ہندوؤں کو وہاں بسانے کا قانون پاس کیا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس ناپاک اقدام کو ہر طرح روکیں اور کوئی مسلمان کسی باہر کے ہندو لوک اپنی جائیداد بیچنے کا سخت گناہ اپنے سر نہ لے۔ اس موقع پر پاکستان سمیت تمام مسلمان ملکوں کا فرض ہے کہ وہ کشمیر کے مظلوم و مقتولوں کی ہر طرح مدد کریں اور بھارت کے ناپاک عزائم کو کامیاب نہ ہونے دیں ایسا نہ ہو کہ اسرائیل کے قیام کی مکروہ تاریخ خدا خواستہ اس علاقے میں بھی دھرائی جائے۔ واللہ سبحانہ اعلم

محمد تقی عثمانی



از حاجی صاحب نمبر  
مرتب: مولانا محمد ذوالکفل

## سوانح حضرت حاجی عبدالواہب صاحبؒ

(قطع نمبر ۷)

مجد تبلیغ حضرت حاجی عبدالواہب صاحبؒ کی ساری زندگی جهد مسلسل سے عبارت ہے آپ نے اپنی حیات مستعار کی سات دہائیاں دین کی اشاعت اور تبلیغ کی محنت میں وقت کر دیں۔ حاجی صاحبؒ کی جدائی یعنیاً ایک عظیم قومی سانحہ ہے اور یہ ایسا خلاہ ہے جو شاید بھی پرندہ ہو سکے لیکن قدرت کے فیصلوں کے آگے کون ٹھہر سکتا ہے، آخر سب کو جانا ہے اور جانے والے کبھی واپس نہیں آتے، ہاں ان کی حسین یادیں ہمیشہ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔

ان کے انتقال کے بعد یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ ان کی حقیقی احوال و واقعات مجتمع ہو جائیں تاکہ ان کی سیرت و کردار کے درخشاں پہلوامت کے سامنے آسکیں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کر کے لوگوں کو بھی اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے میں مدد سکے۔ اسی مقصد کے پیش نظر جامعہ کے شعبہ تشریف و اشاعت نے حضرت حاجی صاحبؒ کے سوانح حیات، دینی و تبلیغی خدمات، تقيیم ہند سے قبل اور بعد کے تبلیغی حالات و واقعات کو خوبصورت انداز میں یکجا کرنے کا بڑا اٹھایا اور منفرد عرصے میں تقریباً سات صفحات کی ضخیم کتاب تیار ہو گئی جو محمد اللہ چھپ کر مظفر عالم پر آچکی ہے جس کی طباعت اول ہاتھوں ہاتھ بک گئی ہے اب اس کی طباعت ثانی پر کام جاری ہے قارئین کے فائدے اور دلچسپی کے لئے اسے ماہنامے میں قسط و ارشائی کیا جائے۔ امید ہے قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

شوریٰ بننے کے بعد ایک مجلس میں مولانا سعید احمد خان صاحبؒ نے حضرت جیؒ کے سامنے ساری شوریٰ کی موجودگی میں یہ بات رکھی کہ حضرت جب جہاں آپ موجود ہوں تو آپ امیر ہیں ہی اگر کہیں

آپ موجود نہ ہوں تو کس طرح کام کیا جائے؟ حضرت جی نے فرمایا کہ: تم جتنے بھی موجود ہو اپنے میں سے ایک کو فیصل بنَا کر کام کرو۔

۱۹۹۵ء میں حضرت جی نے اس پوری شوری کے ساتھ حج کیا اور اسی حج میں سیلوں سے لے کر آسٹریلیا تک کا سفر ۸،۱۰۰ میل کا طے ہوا۔ اس حج سے واپسی پر حضرت جی کا وصال ہو گیا۔ اسی موقع پر یہ شوری بستی نظام الدینؒ میں جمع ہوئی اور مشورہ کیا کہ آئندہ کام کی کیا شکل ہو گی۔ یہ طے فرمایا کہ نظام الدین میں اس شوری کے جو ۵ افراد ہیں وہ نظام الدین کے کام کو لے کر چلیں گے۔ (۱) حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب، (۲) حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری صاحب، (۳) حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب، (۴) میاں جی محراب صاحب، (۵) مولانا سعد صاحب، اور فیصل تین ہوں گے۔ مولانا اظہار الحسن صاحب، مولانا زبیر الحسن صاحب اور مولانا سعد صاحب۔

اس موقع کے متعلق حضرت حاجی عبدالواہبؒ یہ فرماتے ہیں کہ مولوی سعد صاحب نے یہ فرمایا: اگر آپ مولوی زبیر الحسن کو امیر بنائیں گے تو وہ لوگ کام سے کٹ جائیں گے جو مجھ سے جڑے ہوئے ہیں اور اگر مجھے امیر بناتے ہیں تو وہ لوگ کٹ جائیں گے جو مولانا زبیر صاحب سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ امیر نہ ہو اور کام شوری سے چلے اور نظام الدین میں بیعت نہ ہو۔ ہم سب دس کے دس اس پر راضی ہو گئے۔ مشورہ میں تین باتیں طے ہوئیں جن کو باقاعدہ طور پر میاں جی محراب صاحب نے بنگلہ والی مسجد میں سب کے سامنے جمع میں پڑھ کر سنایا اور اس مضمون کی تحریر مع دسوں اہل شوری کی دستخط کے آج بھی موجود ہے جو درج ذیل ہے:

- ۱۔ مستقبل میں کام کی ٹکرانی کی ذمہ داری کسی ایک امیر پر نہیں ہو گی بلکہ پوری شوری پر ہو گی۔
- ۲۔ اس شوری میں جو حضرات بنگلہ والی مسجد کے ہیں، وہ یہاں کی شوری ہیں جو آئندہ نظام الدین کے کام کو لے کر چلیں گے، نیز نظام الدین میں امور طے کرنے کے لیے پانچ رکنی شوری میں سے تین حضرات باری باری سے فیصل ہوں گے: (۱) مولانا اظہار الحسن صاحب (۲) مولانا زبیر الحسن صاحب (۳) مولانا محمد سعد صاحب۔

۳۔ رائیونڈ اور نظام الدین میں بیعت نہیں ہو گی۔

☆.....شوری کے بننے کے بعد سے رائے ونڈ وٹوگی کے اجتماعات، حج کے موقعوں اور جملہ اسفار میں

یہی شوری مختلف ممالک کے امور و مسائل کو باہم مشورہ سے حل کرتی رہی۔ عموماً اسفار میں فیصل کبھی مفتی زین العابدین صاحبؒ، کبھی حاجی عبدالوہاب صاحبؒ بھی میاں جی محراب صاحبؒ، کبھی مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ ہوتے تھے اور ان احباب کی وفات کے بعد جس مشورے میں حاجی عبدالوہابؒ صاحب موجود رہے، ہمیشہ حاجی صاحبؒ ہی فیصل رہے۔

☆..... ۱۹۹۶ء میں جنوب مشرقی دنیا کے ممالک (سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشیا، سنگاپور، انڈونیشیا، آسٹریلیا اور فیجی) کا سفر اسی شوری کی سربراہی میں ہوا۔ اس سفر میں سُڈنی (آسٹریلیا) میں شوری نے یہ طے کیا کہ اب نظام الدین میں پانچ رکنی شوری کے صرف تین فیصل نہیں ہوں گے بلکہ پانچوں باری باری سے تین تین دن کے لیے فیصل ہوں گے۔ دریں اثناء ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء میں مولانا اظہار الحسن صاحب کا، ۲۱ مئی ۱۹۹۷ء میں مولانا عمر پالن پوری صاحبؒ کا اور ۲۷ اگست ۱۹۹۸ء میں میاں جی محراب صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ اسی طرح تین سال کے مختصر عرصہ میں ہی نظام الدین کی پانچ رکنی شوری دور کر رہ گئی۔

☆..... ۱۹۹۸ء میں افریقی ممالک کا سفر اسی شوری کی سربراہی میں ہوا۔ موریشیش میں یہ بات طے ہوئی کہ کوئی کسی ملک یا شہر میں جا کر وہاں کام کی ترتیب بدلنے کے لیے نہیں کہے گا۔ اگر ضروری بات ہو تو وہاں کے شوری والوں کے سامنے تجویز رکھے گا۔ وہ اس پر آپس میں مشورہ کر کے اپنی رائے کے ساتھ نظام وہاں کے شوری والوں کے سامنے تجویز رکھے گا۔ اس پر عمل ہو گا۔ اس میں یہ بات بھی طے ہوئی تھی کہ اختلافی باتیں تو درکنار، معروف صحیح باتیں بھی مجمع میں بیان نہیں کی جائیں گی، تاکہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی لوگوں میں پیدا نہ ہو، جو کام کے نقصان کا ذریعہ بنے۔

☆..... اس کے بعد ۱۵ نومبر ۱۹۹۸ء میں مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں حاجی عبدالحقیت صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، اور صرف پانچ حضرات باقی رہ گئے۔ ان پانچ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- ۱۔ مفتی زین العابدین صاحبؒ
- ۲۔ بھائی محمد افضل صاحبؒ
- ۳۔ مولانا زیر الحسن صاحبؒ
- ۴۔ مولانا محمد سعد صاحبؒ
- ۵۔ مولانا محمد سعد صاحبؒ

☆..... ۱۹۹۹ء میں رائے ونڈ اجتماع کے بعد شوری نے ہندو پاک کے ذمہ دار پرانے احباب کے

سامنے ایک تحریر پیش کی، اس تحریر پر اس وقت موجود پانچوں حضرات کے دستخط ہیں، اس تحریر کا آخری پیرا گراف اس طرح ہے:

”اسی طرح رائے و نڈ اور نظام الدین میں بھی کسی چیز کو چلانے سے پہلے حضرت جیؒ کی مقرر فرمودہ پوری شوری کا متفق ہونا ضروری ہے۔“

☆..... ۲۰۰۰ء میں مغربی ممالک (جرمنی، امریکہ، ولیٹ انڈیز، کنیڈا اور انگلینڈ) کا سفر اسی شوری کے باقی پانچ حضرات کی سربراہی میں ہوا۔

☆..... پھر شوری کے دو حضرت بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، اور تین حضرات حاجی عبدالوہاب صاحب، مولانا زبیر صاحب اور مولانا سعد صاحب باقی رہ گئے، مختلف احباب کے توجہ دلانے کے باوجود کسی ناکسی وجہ سے شوری کے افرادہ بڑھائے جاسکے۔

☆..... اس طرح ۱۹۹۵ء سے لے کر آج تک یہ مبارک کام بغیر کسی معین امیر کے پوری شوری کی نگرانی میں فیصل بدل بدل کر چلتا رہا۔

☆..... ۲۰۱۵ء میں ان حضرات نے مولانا سعد صاحب سے تین مرتبہ تحریری طور پر درخواست کی کہ وہ ایک شوری بنالیں اور ان کی موافقت کے بغیر کام کے نجی میں کوئی نئی بات داخل نہ کریں لیکن ان کی درخواستوں کی طرف کوئی اتفاقات نہیں کیا گیا۔

☆..... جب مسئلہ حل نہ ہوا تو نومبر ۲۰۱۵ میں رائے و نڈ کے اجتماع کے موقع پر جہاں ساری دنیا کے پرانے موجود تھے، ان حالات کو سنجانے کی بات رکھی گئی۔ چنانچہ مختلف ممالک کے ذمہ داروں نے تمام حالات پر غور و خوض کرنے کے بعد طے کیا کہ پورے عالم میں دعوت کی اس عالی محنت کو یکساں اور متفقہ نجی پر قائم رکھنے کے لیے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی قائم کردہ شوری کی تکمیل کی جائے (جس کے دس میں سے آٹھ اراکین کا انتقال ہو چکا ہے) اور اسی طرح مرکز نظام الدین کی پانچ رکنی شوری کو پورا کیا جائے جس کے صرف ایک رکن باقی ہیں۔ اس مقصد کے لیے ایک مجلس قائم کی گئی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب انصاریؒ نے اجتماعیت اور شوری کی اہمیت کے بارے میں چند کلمات ارشاد فرمائے۔ لیکن جب بات چلی تو بہت زیادہ بد مرگی ہو گئی اور شور شرابہ ہو گیا۔ جب مجلس کے وقار کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تو کئی ساتھیوں نے حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب اور مولانا محمد سعد صاحب سے عرض کیا کہ ذمہ داری آپ

دونوں حضرات پر ہے، اس شوری کی تکمیل آپ کے ذمہ ہے، آپ دونوں مل کر اس کی تکمیل کر لیں۔ اس میں آپ چاہیں ہمیں بلا کئیں، جس سے رائے لینا چاہیں اس سے رائے لے لیں، نہ لینا چاہیں نہ لیں یہ ذمہ داری آپ کی ہے۔ انخیر میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ اب تم سب استغفار کرو اور دعا مانگو اور اس کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اس پر مجلس ختم ہو گئی۔ واضح رہے رائے و نظر کے ان مشوروں میں فیصل حاجی عبدالواہب صاحب ہی تھے۔

☆..... طویل مذاکرے کے بعد حضرت حاجی عبدالواہب صاحب نے مشورے سے حضرت جی کی بنائی ہوئی شوری میں ہندوپاک اور بگلہ دیش کے مزید گیارہ (۱۱) حضرات کا اضافہ کر کے اس کی تکمیل کر دی اور اس طرح شوری کے افراد کی تعداد (۱۳) ہو گئی۔ مشترکہ شوری میں (۵) احباب ہند، (۵) احباب پاکستان اور (۳) احباب بگلہ دیش کے شامل ہیں۔ بعد میں یہ بھی طے ہو گیا کہ نظام الدین کے (۵) حضرات جو اس شوری میں ہیں وہ نظام الدین کی شوری ہو گی اور یہی شوری نظام الدین کے جملہ امور باہمی مشورہ سے سرانجام دے گی۔ شوری کی تکمیل سے متعلق ایک تحریر تیار کی گئی جس پر حاجی عبدالواہب صاحب نے دستخط کیے اور دوسرے رفقا سے بھی دستخط کرائے۔ حضرت حاجی عبدالواہب صاحب کے ارشاد پر وہ تحریر مولانا سعد صاحب کو پیش کی گئی کہ وہ بھی اس پر دستخط فرمادیں تو انہوں نے شوری کی اس تکمیل سے یہ کہہ کر اتفاق کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، مجھے اس پر انتراح نہیں ہے، جیسے کام چل رہا ہے ویسے ہی ٹھیک ہے۔ متعدد بار ان سے بات کی گئی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اور یہ کہا کہ شوری مجھ کو پابند کرنے کے لیے بنائی جا رہی ہے۔ مجھے پابندی قبول نہیں ہے۔

اس مجلس کے آخر میں حضرت مولانا ابراہیم دیولہ صاحب نے فرمایا کہ یہ کام اللہ کی ایک امانت ہے۔ ہر آدمی اس کا ذمہ دار ہے۔ اس کام کو چلائے پھیلائے اور اس کام کی نگرانی کرے تاکہ یہ کام صحیح طور پر نسلوں تک جائے۔ اس امانت کا یہ حق ہے ایک مرتبہ حضرت علی ص نے حضور اکرم ا سے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کے بعد بھی کام رہے گا تقاضے پیش آئیں گے اور مسائل اکٹھے ہوں گے اگر ان مسائل کا حل ہم قرآن میں یا حدیث میں نہ پائیں تو ان کے حل کے لیے کیا کریں؟ تو فرمایا کہ نیک آدمیوں کو پرہیزگار آدمیوں کو جمع کرو اور ان سے مشورہ کر کے عمل کرو ایک آدمی کی بات پر اعتماد ملت کرنا۔ یہ حدیث شریف کا مضمون ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے یہ صورت ہے کہ الحمد للہ کام کرنے والے ساتھی ہیں۔ ذمہ دار ہیں۔ زندگیاں ان کی لگائی ہوئی ہیں۔ پابند ہیں۔ ہم سب مل کر اسی ترتیب پر جو رسول اللہ انے بتائی مشورہ کی اور

وہ ایک بڑی سنت ہے۔ ایسی سنت ہے جس سے امت کی صلاحیتیں حق پر آتی ہیں رائے دینے والے رائے دینے گے جو رائے نہیں دے سکتے رائے لے کر ان کی دل جوئی کی جائے گی۔ اس طرح دلوں کو جوڑ کر کے ان کی صلاحیتوں کو کام پر لانے کا یہ بہترین مسنون طریقہ ہے۔ حضورانے اور صحابہ کرام ث نے اپنے اپنے دور میں مشورہ کا بہت اہتمام کیا ہے۔ حضور اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتے تھے آپ حضرات کی کیا رائے ہے۔ اصل یہی ہے کہ اس امت کا کام آپس کے مشورہ سے چلا کرے۔ جب مشورہ قائم ہو جائے گا تو سارے مسائل کا حل نکالنا آسان ہو جائے گا۔ کون فیصل بنے، کون ذمہ دار بنے، کون جائے، یہ سارا کام تو مشورہ کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ آپ حضرات سے بھی ہماری یہ درخواست ہے کہ مشورہ کا اہتمام کریں۔ مشورہ کی جماعتیں بنائیں اور اپنے آپ کو مشورہ کا پابند بنائیں اور اس کام کو امانت سمجھ کر کریں۔ اس کے بعد عافر مائی اور مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

### پاکستان کی صورتحال:

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان میں اجتماعیت کے ساتھ مشورے سے کام چل رہا ہے۔ محترم حاجی عبدالوہابؒ اور دیگر اکابر نے کام کی حفاظت کے لیے جوڑ ہن سازی کی اور کام کو فرد واحد کے ساتھ جوڑ نے کی بجائے مشورے اور اجتماعیت پر کام کو ڈالا تھا۔ محترم حاجی صاحب کی زندگی ہی میں ان کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا نذر الرحمن صاحب مشورے کے فیصل رہے اور حاجی صاحب نے اپنے بعد انہی کو اپنا نائب مقرر فرمایا ان کی ہدایت کے مطابق بحمد اللہ وفضله مولانا نذر الرحمن اور ان کے نہ ہونے پر مولانا احمد بٹلہ اور ان کی عدم موجودگی میں مولانا عبد اللہ خورشید مظلوم پر تمام مشورے والوں نے اعتماد کا اظہار کیا ہے اور حاجی صاحب کی زندگی میں جیسے مل جل کر کام ہو رہا تھا ایسے ہی کام کرنے کا عزم کیا۔

(جاری ہے)



## مفتي محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

### ”جہان دیدہ“

#### بیس ملکوں کا سفرنامہ

قطع نمبر 11

سفرنامہ ہے جسے مسافر سفر کے دوران یا منزل پر بیہقی کراپے تجربات اور مشاہدات کی مدد سے تحریر کا جامد پہناتا ہے اور اپنی گزری ہوئی کیفیات سے دوسروں کو واقعہ کرتا ہے۔ راہ میں پیش آنے والے اپنے تحریر، استجواب اور اضطراب کو اس طرح سے قلم بند کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے نہ صرف پوری تصوری آجائی ہے بلکہ اس مقام سے متعلق تمام معلومات مع تفصیل اس کے علم اور آگئی میں اضافہ کردیتی ہیں۔ ”جہان دیدہ“ بھی ایسا ہی ایک سفرنامہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے سفرناموں کا پہلا مجموعہ ہے جو بیس ملکوں کے سفر کی تفصیل اور روئیاد پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں آپ ان صفحات پر حضرت مفتی صاحب کا سفرنامہ ”سفر در سفر“ پڑھ چکے ہیں جسے قارئین نے بہت پسند کیا۔ اب قط و ار ”جہان دیدہ“ شائع کیا جا رہا ہے جو نہایت دلچسپ اور اپنے اندر بیش بہا معلومات کا خزینہ لئے ہوئے ہے، امید ہے قارئین پسند کریں گے اور یہ سلسہ ان کے علم عمل میں اضافے کا باعث بنے گا۔ انشاء اللہ

### کوفہ کا سفر

اگلے دن نوبجے کے قریب ہم کار کے ذریعے بغداد سے کوفہ روانہ ہوئے کوفہ بغداد سے تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر جنوب میں واقع ہے اور وہاں جانے کیلئے بغداد سے صاف سترھی اور خاصی کشادہ سڑک موجود ہے راستہ

اکثر دونوں طرف سر بہر نخست انوں سے معمور ہے کھجور عراق کی خاص زرعی پیداوار ہے اور کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ کھجور عراق بیش پیدا ہوتی ہے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی بستیاں اور قصبات راستے میں آتے رہتے ہیں ان میں اہم ترین شہر حلمہ ہے جو عراق کے تاریخی شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

حلمہ کے آس پاس ہی دنیا کا قدیم ترین شہر بابل آباد ہے بابل کلدانی تہذیب کا عظیم مرکز تھا کہا جاتا ہے کہ یہ شہر حضرت نوحؐ نے طوفان کے بعد آباد کیا تھا اور یہاں سے ان کی اور ان کے رفقاء کی نسل پھیلی انہوں نے دجلہ اور فرات کے آس پاس بہت سے شہر آباد کئے یہاں تک کہ دجلہ کے کنارے سے وہ کسکر تک اور فرات کے کنارے کو فدے سے بہرے تک پہنچ گئے اور یہ سارا علاقہ سواد کے نام سے مشہور ہوا۔

(معجم البلدان للجموی ص: 309 ج 3)

انہی کی اولاد میں کلدانیوں نے جنم لیا جوان کے سپاہی سمجھے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ با دشہ بن گئے کلدانیوں سے پہلے بابل کا نام خبیث رشتھا کلدانیوں نے اس کا نام بابل رکھا بابل ان کی زبان میں مشتری ستارے کو کہتے تھے اسی کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا کہتے ہیں کہ اپنے عروج کے دور میں بابل بارہ فرشخ میں پھیلا ہوا تھا اور اپنے زمانے کے فن تعمیر کا شاہ کار سمجھا جاتا تھا اس شہر کے بارے میں بہت سی طلسماتی داستانیں بھی مشہور ہیں اور جادو گروں کی کثرت کی بنا پر یہ مدینۃ السحر کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

(معجم ما سنت جم للكبری ص 219 ج 1)

قرآن کریم نے بھی سورہ بقرہ میں بابل کا ذکر فرمائیا ہے کہ یہاں ہاروت و ماروت دو فرشتے بھیج گئے تھے اور انہیں ایک خاص علم سکھا کر اہل بابل کی آزمائش کے لئے معبوث کی گیا تھا یہاں ایک اندھا کنوں جب دنیا کے نام سے مشہور تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہی ہاروت و ماروت کا کنوں تھا۔

بابل کے کھنڈرات اب تک اس علاقے میں پائے جاتے ہیں اور کوفہ جانے والی سڑک سے بھی ان کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔

پھر اسی علاقے میں 495ھ میں سیف الدولہ صدقہ بن منصور نے حملہ شہر آباد کیا اور یہ اس زمانے میں عراق کے حسین ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ (جموی ص 294 ج 7) اور اس کی طرف بہت سے علماء بھی منسوب ہیں اب یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور اپنے ضلع کا صدر مقام ہے۔

کوفہ یہاں سے جنوب مشرق میں واقع ہے اور حملہ سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کوفہ کے آثار شروع ہو گئے۔

کوفہ قرون اولیٰ کی تاریخ اسلام کا بڑا عظیم الشان مرکز رہا ہے۔ پہلی اور دوسری صدی میں یہ شہر مرکز کے خلاف سیاسی تحریکوں کا منع رہا اور اس نے تاریخ کے نہ جانے کتنے انقلابات دیکھے اس کے ساتھ ہی حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ کرام کی بنا پر علم و فضل کا بھی بڑا عظیم الشان مرکز بنارہا جہاں سے حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت کعب بن الجراح اور نہ جانے علم و فضل کے کتنے پہاڑ نمودار ہوئے اس لئے مجھ سے طالب علم کیلئے کوفہ کے ساتھ خاص قلمی لگا ایک فطری بات تھی چنانچہ عراق کے سفر میں جن مقامات کو بطور خاص دیکھنے کا شوق تھا ان میں کوفہ سرفہرست تھا۔

کوفہ حضرت عمر کے زمانے میں فتح عراق حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک چھاؤنی کے طور پر بسایا تھا اور اس میں عرب کے مختلف قبیلوں نے اپنے اپنے محلے بنائے تھے اس سے قبل یہ علاقہ سورستان کہلاتا تھا شروع میں چونکہ یہ ایک چھاؤنی تھی اس لئے یہاں کے باشندوں نے پختہ مکانات کے بجائے بانسوں اور رکھجوروں کے پتوں سے عارضی مکان بنائے تھے جب کہیں جہاد پر جانا ہوتا تو یہ مکان توڑ کر صدقہ کرجاتے اور جب واپس آتے تو دوبارہ بنائیتے جب حضرت مغیرہ بن شعبہ یہاں کے گورنر ہوئے تو ان کے زمانے میں اینٹوں کے مکانات بنائے گئے۔

کوفہ سے پہلے حضرت عمر نے بصرہ آباد فرمایا تھا ایک مرتبہ عبد الملک بن مردان کی مجلس میں دونوں شہروں کے درمیان موازنہ کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حجاج بن یوسف نے کہا امیر المؤمنین مجھے دونوں شہروں کا اچھی طرح علم ہے (حجاج دونوں شہروں کا گورنر رہ چکا تھا) عبد الملک نے کہا کہ پھر ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ دونوں شہروں میں کیا فرق ہے؟ اس پر حجاج نے مشہور فقرہ کہا کہ

کوفہ تو ایک ایسی دو شیزہ ہے جس پر نہ کوئی زیور ہے نہ سنگھار لیکن بصرہ ایک ایسی بڑھیا ہے جس کے بال کھڑی ہیں اور بغلوں سے بوآتی ہے مگر ہر طرح کے زیور اور سنگھار سے آراستہ ہے۔

(آثار البلا للقزوینی ص: 250)

کوفہ کا محل وقوع ایسا تھا کہ یہ شہر اطراف و اکناف کے مقابل کا مرکز بن گیا اور اس کی آبادی پھیلتی چلی گئی یہاں مجاہدین اور نو مسلم تو بڑی تعداد میں آباد تھے لیکن شروع میں انہیں دین کی تعلیم دینے والی کوئی

شخصیت نہ تھی جو تعلیم ہی کو اپنا مقصد بنا کر ان کی تربیت کرے حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو یہاں پہنچ کر اہل کوفہ کو لکھا کہ ان کے معاملے میں میں نے تمہیں اپنے پرتر جیح دی ہے، یعنی حضرت ابن مسعود کی ضرورت تو مجھے تھی لیکن تمہاری ضرورت کی بنا ہر ایثار کر کے تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شہر کو علم و فضل سے جگہ گادیا ان کے شاگردوں نے ان سے علم حاصل کر کے یہاں اپنے حلقة ہائے درس قائم کئے اور حر میں شریفین کے بعد یہ علم حدیث و فقہ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے تو انہوں نے علم کا یہ چرچا دیکھ کر فرمایہ کہ اللہ ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) پر حرم فرمائے انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا ہے۔

جموی نے لکھا ہے کہ کوفہ اپنے عہد عروج میں (تقریباً 264ھ میں) سولہ میل کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اس میں ستر ہزار مکانات تھے (مجموع البدان ص 492، ج 16) لیکن اب تمدنی حیثیت سے اس شہر کا کوئی خاص مقام نہیں رقبہ اور آبادی دونوں اعتبار سے یہ ایک چھوٹا سا قصبه معلوم ہوتا ہے ہم کوفہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کوفہ کی تاریخی مسجد پہنچ جو دنیا کی قدیم ترین مساجد میں سے ہے۔

### جامعہ کوفہ:

یہ مسجد حضرت سعد بن ابی وقار نے تقریباً 19ھ میں بنائی تھی جس میں چالیس ہزار آدمیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش تھی بعد میں زیاد بن ابی سفیان نے اس میں اور اضافی کیا جس سے مزید میں ہزار آدمیوں کی گنجائش پیدا ہو گئی آج بھی انسان اس میں داخل ہو کر اس کی غیر معمولی وسعت کا تاثر لئے بغیر نہیں رہتا اس کے چاروں طرف فصیل نما مسجدیں دیوار ہے جس پر قدامت کے آثار نمایاں ہیں اور اس کے اندر ورنی جانب دسیوں حجرے بنے ہوئے ہیں جن کے دروازے مسجد کے صحن میں کھلتے ہیں یہ حجرے کسی زمانے میں طالبان علم کا مستقر تھے اور ان میں مسافر طلباء مقیم رہتے تھے۔

مسجد کے صحن کے پیچوں بیچ بہت سے چھوٹی چھوٹی محرابیں بنی ہوئی ہیں ایک جگہ چوکور احاطہ سا ہے ہر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں اور ان مقامات کے بارے میں طرح طرح کی بے سر و پار واتیں مشہور ہیں کسی جگہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے نماز پڑھی ہے کہ یہاں نوچ نے نماز پڑھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

درحقیقت ان باتوں کا مأخذ ایک بے اصل روایت ہے جو جموی نے مجموع البدان (ص 492 ج 16) اور قزوینی نے آثار البلاد (ص 250) میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کوفہ سے بیت

المقدس جانا چاہتا تھا حضرت علیؑ نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں کوفہ کی جامع مسجد بڑی فضیلت والی ہے یہاں دور کعتین دوسری مسجدوں کے مقابلے میں دس گنا فضیلت رکھتی ہیں اسی کے ایک گوشے میں حضرت نوحؑ کے زمانے میں تور پھوٹا تھا (جس سے طوفان نوحؑ برپا ہوا) اسی کے پانچویں ستون کے پاس حضرت ابراہیمؑ نے نماز پڑھی اور ایک ہزار اولیاء اور ایک ہزار اولیاء نماز پڑھتے رہے اسی میں حضرت موسیؑ کا عصا مfon ہے اور سی میں وہ کدو کا درخت تھا جس سے حضرت یوسفؑ کو شفاء عطا ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ بڑی وادی تباہی روایت ہے جموئی اور قزوینی دو نوں نے اسے ایک شخص حبیبة بن جوین العربی سے روایت کیا ہے حافظ ذہبیؓ اس کے بارے میں لکھتے ہیں  
یہ شخص غالی شیعوں میں سے ہے اسی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ گنگ صفين میں اسی بدری صحابہ شامل تھے حالانکہ یہ عقلائی محال ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی ص 450 ج 1)

حافظ ابن حجرؓ نے بھی البہذیب (ص 176 ج 2) میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اکثر علماء رجال کی اس پر شدید جرح نقل کی ہے البتہ شیعہ کتب رجال میں اس کا تذکرہ مدح و توصیف کے ساتھ آیا ہے مامقانی نے بڑے شدومد کے ساتھ اس کا دفاع کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا تعلق اس قبیلہ عربینہ سے ہے جس کے لوگ آنحضرت کی خدمت میں آکر مرتد ہو گئے تھے اور صدقہ کے اونٹ بھگا کر لے گئے تھے۔ (ملاحظہ ہوتفتح المقال للما مقانی ص 250 ج 1)

تور روایت کے اصل مأخذ حبیبة العربی کا حال ہے ان کے نیچے کون کون راوی ہیں؟ یہ جموئی اور قزوینی نے بھی نہیں لکھا ہے ایسا یہ روایت کسی بھی طرح قابل اعتماد نہیں نہ روایت نہ درایت۔

جامع کوفہ کی فضیلت کے یہ قصے تو بے اصل ہیں لیکن اس کی یہ تاریخی اہمیت ناقابل انکار ہے کہ وہ عہد صحابہ کی قدیم ترین مسجد ہے جہاں حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت علیؑ، حضرات حسین، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفر، حضرت عبد اللہ بن الحارث، حضرت سلمان فارسی، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور نہ جانے کتنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نمازیں پڑھی ہیں عرب کے نہ جانے کتنے نامور خطیب خطبہ دیتے رہے ہیں پھر یہ مسجد کیتائے روزگار محدثین و فقہاء کا مرکز بنی رہی ہے، بلا مبالغہ ہزاروں اہل علم نے یہاں درس دیا ہے کیسے کیسے عابدو زاہد اولیاء کرام کیسے کیسے مفسرین اور فقہاء و محدثین

اور نقلي اور عقلی علوم کے کیسے کیسے شناور یہاں داد علم و تحقیق دیتے رہے اس مسجد کی فضائیں مجھ سے طالب علم کو ان کے انفاس قدسیہ ان کے ذکر و تسبیح اور ان کے عملی افادات کی مہک محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ جامع کوفہ آج بھی اپنے اسی طول و عرض اور شان و شکوه کے ساتھ موجود ہے لیکن نگاہیں وہ حلقة درس تلاش کرتی رہیں جنہوں نے امام ابو حنفیہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، کعیج بن الجراح، قاضی ابو یوسف اور امام محمد جیسے جیال علم پیدا کئے اور جنہوں نے اپنے علم و فضل سے دنیا بھر کو سیراب کیا۔

آج اس مسجد میں کوئی شخص کتاب پڑھتا نظر نہ آیا، بس جا بجا بے علم مزور لوگوں کو بے سرو پا حکایتیں سناتے پھر رہے تھے کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ ان جاہلانہ حکایتوں کی حقیقت لوگوں کو بتا سکے، میں اس وسیع و عریض صحن میں چشم تصور سے علم و فضل کی وہ سمجھی ہوئی مجلسیں دیکھتا رہا جن کی خوبیوں سے کبھی اس مسجد کے باام و در معطر رہتے تھے اور دل میں یہ حضرت تھی کہ مجھ جیسا طالب علم یہاں پہنچا تو اتنی دیر میں کہاب کوئی ان مجلسوں کو یاد کرنے والا بھی یہاں نظر نہیں آتا۔

جمگھٹ وہ گل رخوں کے الی کدھر گئے  
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

صحن عبور کر کے مسجد کے مسقّف حصے کا عرض زیادہ نہیں ہے اس میں بمشکل پانچ چھ صفحیں آتی ہوں گی اور بیہیں وہ محراب ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا گیا غالباً مسقّف حصہ شروع ہی ساختا ہے۔ الحمد للہ! اس تاریخی مسجد میں تھیۃ المسجد ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی یہاں سے دوبارہ صحن کی طرف نکلے تو دائیں ہاتھ کی طرف دو بڑے قبے نظر آتے ہیں ان میں سے ایک قبہ حضرت مسلم بن عقیل کا مزار ہے جو واقعہ کربلا سے پہلے حضرت حسین کے نائب کی حیثیت سے کوفہ میں مقیم تھے اور بیہیں شہید کئے گئے ان کی شہادت کا واقعہ معروف ہے۔

بانیں طرف والا قبہ حضرت ہانی بن عروہ کا مزار ہے جو کوفہ میں حضرت حسین کے سرگرم حامیوں میں سے تھے اور انہوں نے حضرت مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں روپوش رکھا تھا۔

(جاری ہے)



مفتي شعيب احمد صاحب

دارالافتاء جامعہ دارالتحقیقی لاہور

## حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالواحدی کی کتب پر تبصرہ

حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علم کے حوصلات کو امت کے سامنے پیش کرنے کے لیے جہاں تدریس کو اپنا مشغله بنانا کرو افراد سازی فرمائی وہیں قلم کے ذریعے بھی یہ امانت امت تک منتقل فرمائی۔ حضرت کا قلم سے یہ رشنہ ایسا استوار تھا کہ جب تک بیماری نے ناتوان کر کے بستر سے نہیں لگا یا قلم و قرطاس ہاتھ سے نہیں چھوٹے۔ حضرت کے قلم سے پچاس کے قریب تالیفات وجود میں آئیں۔ جن کے صفحات ایک اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار کے قریب بنتے ہیں۔ حضرت کی تحریر میں اطناب اور تفصیل نہ ہوتی تھی بلکہ اختصار اور ایجاد تھا۔ اس لیے صرف مغرب مغز ہوتا تھا۔ یعنی حضرت کی تحریر میں مشکل سے آپ کو ایسا جملہ ملے گا جسے تحریر سے خارج کر دیا جائے تو مفہوم پر کوئی خاص اثر نہ پڑے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ حضرت کی تحریر مواد کے اعتبار سے ایسی ہوتی تھی کہ اس کی آپ تفصیل اور تشریع تو جتنی مرضی کر لیں گے تلخیص نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ پہلے ہی خلاصہ در خلاصہ ہوتی تھی۔ تلخیص عام و ستور کے مطابق کسی تحریر کا ایک تہائی ہوتی ہے اس طرز سے اگر حضرت کی تحریرات عام تسمیل و تفصیل یافتہ انداز کی ہوتیں تو ان کا جنم کم از کم تیس ہزار صفحات پر محیط ہونا چاہیے تھا۔ روزہ مرہ کے فتاویٰ کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہی ہے۔ اسے بھی اگر اسی اصول کے تحت پرکھیں تو سامنہ ستر ہزار صفحات

حضرت کا حاصل حیات ٹھہرتا ہے۔  
**تالیفات کی اقسام**

حضرت کی تالیفات کو بنیادی طور پر تین انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ فہم دین کورس

۲۔ تحقیقی تالیفات

۳۔ تقدیدی تحریرات

ذیل میں یہوں کا خصر تعارف پیش خدمت ہے۔

### فہم دین کورس کا نصاب

حضرت نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں میں ابھرنے والے اہم سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم مگر بھرپور علمی مواد پر مشتمل ایک کورس ترتیب دیا۔

فہم دین کورس میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

(۱) تفسیر فہم قرآن، (۲) فہم حدیث، (۳) اسلامی عقائد، (۴) اصول دین، (۵) مسائل بہشتی زیور۔

قدر تفصیل تعارف پیش خدمت ہے۔

### ۱۔ تفسیر فہم قرآن (۳ جلدیں)

مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی صفحات: ۱۲۹۶

اس تفسیر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ مکمل تحت الفاظ ہے، کیونکہ اس تفسیر میں حضرت مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر ”فہم دین کورس“ کے طلبہ ہیں جن کی درسی ضرورت کے لیے ترجمے کو تحت الفاظ کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے طلبہ کی دلچسپی اس سے ہوتی ہے کہ انہیں عبارت کا صرف مفہوم نہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہو کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے تاکہ ان کے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہو، چونکہ با محاورہ ترجمہ تو بقدر کفایت موجود ہیں اس لیے حضرت مصنف رحمہ اللہ نے مکمل لفظی ترجمے کا التزام فرمایا ہے۔ یہ ترجمہ بنیادی طور پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ہی ہے مگر اس میں الفاظ کا اتنا تغیر اور تسبیل ہوئی ہے کہ اب اس ترجمے کی نسبت حضرت شیخ

الہند رحمہ اللہ کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ لہذا حضرت ڈاکٹر صاحب کی علمی کاؤشوں میں قرآن پاک کا ترجمہ بھی شامل کیا جانا چاہیے۔

(۲) ترجمہ متن سے علیحدہ لکھا گیا ہے۔

(۳) تفسیر کو رواں لکھا گیا ہے۔ نمبر وار حاشیہ سے اجتناب کیا گیا ہے۔

(۴) ربط کو بہتر انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

(۵) ترجمہ میں میں بین القوسین ضروری تشریحی اضافے بھی موجود ہیں، اس لیے اگر صرف ترجمہ بھی پڑھا جائے تو آیت کے مفہوم میں کوئی لجھا و نہیں آتا۔

(۶) تفسیر میں انداز تفسیر ”بیان القرآن“ کا ہے کہ تفسیر کو ترجمے کے ساتھ مر بوط اور ممزوج بنانے کر لکھا گیا ہے۔

(۷) تفسیر کے حصے میں حضرت مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر ”بیان القرآن“ اور ”تفسیر عثمانی“ ہے البتہ ”معارف القرآن“ سے بھی بقدرت ضرورت استفادہ کیا گیا ہے ”معارف القرآن“ سے تفسیری فوائد بھی (باخصوص پہلے حصے میں) منقول ہیں۔ اس لیے اس تفسیر کو بنیادی طور پر حضرات اکابر کی تفاسیر ہی کا ایک معتمد خلاصہ اور تسهیل کہنا چاہیے۔ البتہ حضرت المصنف چونکہ خود کہنہ مشق فقیریہ و متکلم بھی ہیں اور علوم جدید و قدیمہ دونوں پر نظر بھی رکھتے ہیں اس لیے تفسیر میں معاصر ذہن میں پیدا ہونے والے معقول اشکالات کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے جواب دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تفاسیر کی فہرست میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ مختلف جامعات میں اس تفسیر پر تحقیقی مقالہ جات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ تفسیر ”فهم دین کو رس“ کا بھی حصہ ہے۔ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے سولہویں پارے تک تفسیر بہت پہلے مکمل فرمائی تھی اور ”فهم قرآن“ کا اس کو رس میں مجوزہ حصہ صرف یہی ہے، البتہ بعد کے حصوں کی تکمیل حضرت کی خواہش تھی چنانچہ ایک جلد سترھویں پارے سے ایکسویں پارے کے اوخر تک علات کے ایام میں مکمل فرمائی تھی، جو زیر طبع سے آراستہ ہونے والی ہے۔ البتہ بائیکسویں پارے سے آخر تک کے حصے کی تفسیر لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔

## ۲۔ فہم حدیث (۳ جلد)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی (۱۹۲۵ء)

یہ کتاب احادیث رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ اور جامع انتخاب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں خواہ عقائد و افکار ہوں یا عبادات و معاملات، عائلی مسائل ہوں یا آداب و معاشرت، معيشت و تجارت ہو یا حکومت و سیاست، انسانی زندگی کی نجی اجنبینیں ہوں یا سوچ و فہم رکھنے والے دماغوں میں سلگنے والے مختلف سوالات..... ان میں سے کم و بیش ہر ایک موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ احادیث کا مکمل متن، اس پر لگے صحیح اعراب، سلیس ترجمہ، بین القوسمین محتاط اور متن سے ممتاز مفید اضافہ جات، اور فوائد و تشریح کے تحت متنوع علوم و معارف کتاب کا خاصہ ہیں۔ عبادات کے شعبے میں خصوصی طور سے فقہی کتب کا ذکر کئے بغیر حضرات احناف کے احادیث پر مشتمل دلائل کو عمدہ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ جس سے اس اشکال کا لاشعوری رد ہو جاتا ہے کہ احناف کے پاس حدیث نہیں ہے۔

”فہم حدیث“ تین جلدیں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد عقائد و اخلاق کی احادیث پر مشتمل ہے، دوسری جلد عبادات سے وابستہ احادیث، جبکہ تیسرا جلد میں معاملات سے متعلق احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس طرح دین کے پانچوں شعبوں (عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق) سے متعلق ضروری مفید اور اہم احادیث بیکجا کر دی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی ”فہم دین کورس“ کا حصہ ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ٹھوں اور وافر علمی مواد پر مشتمل ہونے اور سہل انداز تعبیر کی وجہ سے اہل علم اور عوام کے لیے نہ صرف یکساں مفید بلکہ ناگزیر بھی ہے۔

### ۳۔ اسلامی عقائد

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام کراچی (۱۶۰۰ء) صفحات: ۳۱۲

یہ کتاب بھی عقائد کے بارے میں لکھی تصنیف میں ایک عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔ کتاب کے

اجمالی مندرجات یہ ہیں:

- ۱۰ وجود باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال۔
- ۱۰ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔
- ۱۰ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کا تفصیلی بیان۔
- ۱۰ خیر و شر دونوں کیساتھ ارادہ خداوندی کا تعلق ہے۔

○ عالم و کائنات کی ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق۔

○ صفات نشانہات۔

○ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات۔

○ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت۔

○ نبوت و رسالت۔

○ عصمت انبیاء علیہم السلام۔

○ ڈاروں کے نظریہ ارتقاء کاردن۔

○ معجزات یاد لائل نبوت۔

○ حضرت محمد ﷺ کے امتیازات اور ختم نبوت۔

○ عقیدہ حیات النبی ﷺ۔

○ بدعتیوں کا نبی ﷺ کی شان میں غلو اور اس کا جواب۔

○ فرشتوں کا بیان۔

○ کتب الہیہ کا بیان۔

○ جنات کا بیان۔

○ علامات قیامت۔

○ قیامت کے احوال اور جنت و دوزخ۔

○ قبر میں عذات و راحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے۔

○ تقدیر کا بیان اور پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب۔

○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعیں سے متعلق عقائد کا بیان۔

○ امامت و خلافت۔

○ ایمان اور اس کے متعلقہ امور کا بیان۔

○ شرک اور اس کی اقسام کا بیان۔

حضرت مصنف رحمہ اللہ نے قدیم کتب سے عقائد کو بیان کرنے کیسا تھا ساتھ موجودہ زمانے کی گمراہ افکار و عقائد کو بھی اس میں بیان کیا ہے، مگر انداز مثبت ہے۔ چنانچہ اس کو زمانہ حال تک کے صحیح عقائد اور ان کے مقابلے میں غلط عقائد کی نشاندہی پر مشتمل ایک ٹھوں کتاب قرار دیا جاسکتا ہے، فی زمانہ عقیدے کا مسئلہ کافی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ انداز بھی عوام کی سطح کے قریب قریب کا ہے، ہمارے مدارس کے سلسلوں کو چاہیے کہ اسے شامل نصاب کریں اور ”شرح عقائد“، ”غیرہ سے پہلے اسے طلبہ کو ذہن نشین کروائیں۔ یہ کتاب بھی ”فهم دین کورس“ کا حصہ ہے۔ اور اس کے تین ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

### ۳۔ اصول دین

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۰۳ء)، صفحات: ۲۱۳

آج کم و بیش ہر انسان دین سمجھنے کا خواہش مند ہے اور تھوڑا سا بھی سمجھدار ہو جانے کے بعد اسے عوام کو سمجھانے کا بھی خواہاں ہے۔ مگر بنیادی سوال یہ ہے کہ دین (جس کے مأخذ قرآن و حدیث ہیں) اس کے سمجھنے کے کوئی اصول و ضوابط بھی ہیں یا اہل ٹپ جس کے جو جی میں آئے اصول بنائے اور قرآن و سنت کو اپنے خود ساختہ اصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر بیان کرنا شروع کر دے اور نیتچا دین کا حلیہ وہ بنادے جو کسی بڑھیانے پورے اخلاص کے ساتھ بادشاہ کے بازا کا بنایا تھا۔ ظاہر ہے اس سوال کا جواب نفی میں ہے کہ دین خدا کا پیغام اور نظام ہے ہر آدمی کو اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعے دین کی تعبیر و تشریح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ دین کے کچھ طے شدہ اصول اور مسلمات ہیں جن کی پاسداری کرتے ہوئے دین سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے معاصر طبقے کو سامنے رکھتے ہوئے دین فہمی کے اصول بیان فرمادیے ہیں جسے کے بعد الحمد للہ ایک خالی الذہن آدمی دین کی اہل حق کی تعبیر پر پختہ ہو جاتا ہے اور الجھے ہوئے ذہن کو تسلی اور تسلیم فراہم ہو جاتی ہے، بہت سے اہل علم جو عوام سے ربط و ضبط رکھتے ہیں انہوں نے حضرت کی اس کتاب کو خوب خوب سراہا ہے اور اسے اپنے مقصد میں بہت مورث اور مفید بتلایا ہے۔ یہ کتاب بھی ”فهم دین کورس“ کا حصہ ہے۔ اس کتاب کے مندرجات ”وجی“ سے شروع ہو کر جیت حدیث، سنت و حدیث، اجماع امت، قیاس، قواعد فقهیہ سے ہوتے ہوئے آخر میں ایمان و کفر تک کے بنیادی مباحث تک چلے گئے ہیں۔

## ۵۔ مسائل بہشتی زیور (۲ جلد)

مطبوعہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی (۲۰۱۲ء)

”فہم دین کورس“ کے لیے اردو زبان میں مسائل پر مشتمل کسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی تو ”مسائل بہشتی زیور“ جو کہ بڑے ”بہشتی زیور“ کا ایک منتخب حصہ ہے، اسے سامنے رکھ کر کچھ حذف و اضافہ کیا گیا جس سے یہ ایک مستقل اور مفید کتاب بن گئی، پونکہ اصل بنیاد تو ”بہشتی زیور“ ہی کے مسائل تھے اس لئے نام وہی رکھا گیا۔

”مسائل بہشتی زیور“ کے اس نام پر بعض حضرات کو اشکال بھی ہوا جس کا اظہار ایک موقع پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہنے بھی حضرت سے فرمایا تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے ہاں عصری اداروں میں کسی کے کام کو آگے بڑھانے اور اس پر استدراک کرنے کو توخوبی کی بات سمجھا جاتا ہے، اور یہ بھی کہ جب بنیادی مواد ایک مصنف کا لیا ہے تو اس کا نام بھی شامل رکھا جائے۔ جس پر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہنے سکوت فرمایا۔

یہ کتاب اپنے تحقیقی مندرجات اور منفرد اہم جزئیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اہل علم بلکہ ارباب فتاویٰ کی بھی ضرورت بن گئی ہے۔ یہ کتاب بھی ”فہم دین کورس“ کا حصہ ہے اور اپنے مندرجات کی وجہ سے عوام کی بھی ضرورت ہے۔

”مسائل بہشتی زیور“ کے بنیادی مسائل پر اضافہ کردہ چند جدید نمایاں مسائل یہ ہیں:

- ٹیلی فون پر نکاح ۰ پوسٹ مارٹم ۰ انسانی اعضا کی پیوند کاری ۰ سرکاری بینکوں سے زکوکی سرکاری کٹوٹی ۰ روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا معیار ۰ ضبط ولادت ۰ تولید کے جدید طریقے ۰ انسانی دودھ کا پینک ۰ عدالتی خل菊 ۰ حلال و حرام کا ضابطہ ۰ شیررُز (حصص) ۰ حقوق (رائٹس) کی اقسام اور ان کی بیچ ۰ غیر سودی بینکاری ۰ مختلف کرنیوں کا تقابلہ ۰ انعامی بامد اور مر وجہ یہ کی شکلیں ۰ نشے کی چیزوں کا بیان ۰ کمائی کی اقسام ۰ تصویر و مجسمہ کے احکام ۰ کافروں اور فاسقوں کے ساتھ مشابہت کرنے کے احکام ۰ لباس اور زیورات کی احکام ۰ جاب کے مسائل ۰ علاج معالجہ اور عملیات اور تعویذ کے احکام ۰ بدعاوں ۰ رشوت لینے دینے کے مسائل ۰ جوئے کے مسائل ۰ سلام، مصالحہ اور معاقفہ کے مسائل ۰ کھیل اور تفریغ کے مسائل۔

اس کتاب کے دو ایڈیشن آپکے ہیں۔

### Cread of Islam ۶

مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، وجامعہ دارالتحقیقی لاہور (۲۰۱۱ء)، صفحات: ۲۵۶،  
اسلامی عقائد کا انگلش ورثن۔

### Principles of Islam ۷

مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور و جامعہ دارالتحقیقی لاہور (۲۰۱۱ء)، صفحات: ۲۰۷،  
اصول دین کا انگلش ورثن۔

”اسلامی عقائد“ ہو یا ”اصول دین“، اس کے مباحث انتہائی اہم اور قیمتی ہیں باخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقے کی ضرورت بھی ہیں لیکن چونکہ اردو زبان سے وہ طبقہ اتنا منوس نہیں، پھر اصطلاحات اس پر مستزد اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دونوں کتابوں کا انگریزی ورثن بھی آجائے تاکہ ایسے طبقے کے استفادے میں زبان و بیان رکاوٹ نہ بنے۔ چنانچہ اس کا انگریزی ورثن تیار ہو گیا۔ طبع بھی عمده کاغذ پر ہوا ہے۔ اس سے پہلے ”اصول دین“ کا انگریزی ترجمہ زمزم پبلیشورز کراچی سے طبع بھی ہوا مگر وہ حضرت مؤلف کی نگاہ میں معیاری نہ تھا۔

حضرت کی خواہش یہ تھی کہ ”مسائل بہشتی زیور“ کا انگریزی ترجمہ بھی ہو جائے۔ جس کے چند صفحات تجرباتی طور پر اپنے بعض تلامذہ کو دیے تھے مگر پھر بات آگئے نہ بڑھ سکی۔ وَنَّقَ اللَّهُ مِنْ يَحْبُّ وَيَرْضَاهُ اگر اس کے ساتھ ساتھ ”فہم حدیث“ کا ترجمہ بھی ہو جائے تو نور علی نور ہو گا۔ دیکھیے یہ سعادت کس کے مقدار میں لکھی ہے۔

(جاری ہے)



## آپ کے مسائل کا حل

### زندگی میں تقسیم میراث کا حکم

سوال: جناب عالی گزارش ہے کہ میں اپنی زندگی میں اپنی بیٹیوں اور بیٹھوں کو وراثت جو کہ ایک عدد مکان جس کی مالیت (10000000) ایک کروڑ روپے ہے دینا چاہتا ہوں۔ اپنا اور اپنی بیوی کا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ آج سے تقریباً 10 سال پہلے میرا بڑی ابیٹا فوت ہو گیا تھا جس کی تاریخ وفات 09-01-7 ہے اس کا ایک بیٹا 10 سال کا ہے جو کہ میرے پاس نہیں ہے وہ اپنی ماں کے پاس ہے جس نے میرے بیٹے کے فوت ہونے کے بعد شادی کر لی تھی اور میری بیوی بھی حیات ہے پوچھنا یہ تھا کہ اس مکان کی وراثت میں ہم سب کا کتنا کتنا حصہ بتا ہے میرے اس وقت تین بیٹے زندہ ہیں اور ایک فوت ہو گیا ہے اور میری چار بیٹیاں ہیں شریعت کے مطابق ان سب کا اور میرا اور میری بیوی کا کتنا حصہ بتا ہے برائے مہربانی شریعت کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جب تک بندہ زندہ ہے تب تک جائیداد میں شرعاً کسی کا کوئی حصہ نہیں بتا وراثت کا تعلق انسان کے فوت ہونے کے بعد سے ہوتا ہے زندگی میں اپنے ہونے والے ورثاء کو جو کچھ یا جائے یا جائیداد کو تقسیم کیا جائے اس کی حیثیت ہے (Gift) کی ہے۔  
زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

(1) اپنی اولاد میں سے لڑکے اور لڑکیوں کو برابر حصہ دے یہ افضل ہے۔

(2) لڑکیوں کو ایک ایک حصہ اور لڑکوں کو دو دو حصے دے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

## کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا

**سوال:** کیا کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا، اور گھی وغیرہ داڑھی پاؤں پر لگانا سنت ہے؟

**جواب:** کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا سنت ہے، البتہ انگلیاں چاٹنے کے بعد جو گھی وغیرہ کی تری ہاتھوں پر باقی رہ جاتی ہے اس کو پانی سے دھونا افضل ہے اور رومال یا ٹشو سے پونچھنا بھی ٹھیک ہے، تاہم اس کو جسم کے اعضا پر ملنانا خود حسنور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تو ثابت نہیں لیکن صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے، پھر بعض صحابہ کرام سے اس طرح کرنا مجبوری کی حالت میں ثابت ہے کیونکہ ان کے پاس ہاتھ پونچھنے کے لیے رومال، تولیہ، یادھونے کے لیے وافر پانی نہیں ہوتا تھا، جب کہ بعض حضرات جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سادگی کی ترویج کے لئے ثابت ہے۔

## طالبات کا مخصوص ایام میں قرآن پاک کی تلاوت کرنا

**سوال:** حفظ کرنے والی طالبات مخصوص ایام کے دوران قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں کرتیں تو بھولنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

**جواب:** حفظ کرنے والی طالبات مخصوص ایام کے دوران قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکتیں۔ یاد رکھنے کے لئے دیکھ کر دل میں دہرانا کافی ہے اور یاد کرنے کے لئے تلاوت سنی بھی جاسکتی ہے۔

مسائل بہشتی زیر جلد نمبر 1 صفحہ 113 میں ہے:

**مسئلہ:** لڑکی حفظ کر رہی ہو اور اس دوران اس کو حیض آنا شروع ہو جائے تو حیض کے دنوں میں قرآن پاک نہ پڑھے پڑھا ہو یاد رکھنے کے لئے دو طریقے ہو سکتے ہیں:

۱۔ کپڑے وغیرہ سے قرآن پاک کھول کر بیٹھے اور قلم یا کسی اور چیز سے ورق پلٹائے اور قرآن پاک میں دیکھ کر دل میں پڑھے، زبان نہ ہلائے۔

۲۔ کوئی تلاوت کر رہا ہو اس کے پاس بیٹھ جائے اور سنتی رہے، سنتے سے بھی یاد ہو جاتا ہے۔

## مسلمان کے لیے غیر مسلم کی مٹھائی کھانے کا حکم

**سوال:** حضرت ہمارے ساتھ ایک لڑکا کام کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ پچ کی پیدائش ہوئی اور اس نے سب کو مٹھائی دی ہے اس خوشی کے موقع پر۔ کیا ہم وہ مٹھائی کھا سکتے ہیں؟ راہنمائی

فرمادیں۔

**جواب:** غیر مسلم کے ہاں بچے کی پیدائش کی خوشی میں ان کی طرف سے جو مٹھائی دی جائے اسے کھا سکتے ہیں۔

### ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چاراہم فتاویٰ

- سوال: 1۔ جو شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔
- 2۔ اور جو شخص تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ آنے والے کل کی بات جانتے تھے وہ بھی جھوٹا ہے۔
- 3۔ اور جو شخص تم سے کہے کہ آنحضرت ﷺ نے تلخ دین میں کوئی بات چھپائی تھی وہ بھی جھوٹا ہے۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4855، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 177)
- 4۔ رسول اللہ ﷺ بشری تھے۔ (مندرجہ: 256، صفحہ: 681، صحیح ابن حبان)

1۔ کیا یہ بات درست ہے؟

2۔ کیا یہی عقیدے رکھنے چاہیں یا اس میں کچھ تفصیل؟

**جواب:** مذکورہ باتیں درست ہیں البتہ معراج میں اپنے رب کو دیکھنے سے متعلق جو بات مذکور ہے اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کی دورائے ہیں۔ ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو مذکور ہے اور دوسری حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ آپ ﷺ نے معراج میں اپنے رب کو دیکھا ہے۔ تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر ”معارف القرآن“ میں سورۃ النجم میں دیکھ سکتے ہیں۔

### عبدالواحد، عبدالرازاق وغیرہ نام کو عبد کے بغیر پکارنا

**سوال:** مکتب میں قاری صاحب کا عبد الوحد نامی طالب علم کو وہاب کہنا یا عبد الرزاق کو رزاق عبد الرحمن کو حسن، عبد العزیز کو عزیز کہنا شرعاً کیسا ہے؟

**جواب:** عبد الرحمن اور عبد الرزاق کو صرف رحمن یا رزاق کہہ کر بلانا جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں نام اللہ کے ساتھ خاص ہیں البتہ عبد الوحد اور عبد العزیز کو وہاب اور عزیز کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

## فضائل میں وارد ضعیف حدیث پر عمل

سوال: سورہ یسین اور سورہ واتعہ کے بارے میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ صبح میں یسین اور مغرب کے بعد سورہ واقعہ کی تلاوت کی احادیث ضعیف ہیں انہیں ترک کر دینا چاہیے۔

جواب:

اگر یہ حدیثین ضعیف بھی ہوں تب بھی ان کا پڑھنا بنیادی طور پر صحیح ہے کیونکہ معاملہ فضائل کا ہے اور محدثین کا ضابطہ ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

## بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا کب پڑھیں

سوال: ٹانکٹ بڑے کمرہ میں ہے، ہاتھ دھونے کی الگ جگہ بنی ہوئی ہے۔ داخل ہونے کی مسنون دعا کمرہ میں داخل ہوتے وقت پڑھی جائے گی یا ٹانکٹ کے قریب جا کر پڑھی جائے گی؟

جواب:

ٹانکٹ کے قریب جا کر پڑھی جائے۔

## دورانِ اذان و اقامت گفتگو کرنا، اور اقامت کے وقت ہاتھ باندھنا

سوال: الف: اذان و اقامت کے دوران ان کا جواب دینے کی بجائے بعض مبلغین اپنی گفتگو اور مشاورت بڑے فخر سے جاری رکھتے ہیں، اور فجر کی نماز اور بیان کے بعد مشاورت کا وقت بھی مقرر ہے، اور تکمیر اولیٰ ہونے کے بعد یا سورہ فاتحہ ختم ہونے پر نماز میں شامل ہوتے ہیں۔ عمل کیا ہے؟

ب: اس کے ساتھ یہ بھی بتلاد تجھے کہ اقامت کے دوران پیچھے ہاتھ باندھنا یا آگے ہاتھ باندھنا کیسا ہے یا رانوں کے ساتھ لگائے رکھنا بہتر ہے؟

جواب:

الف: ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔

ب: اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی، بہتر ہے کہ ہاتھ کھلے اور لٹکے رہیں۔



## جامعہ کے شب و روز

☆.....احمد اللہ ادارہ نے لاک ڈاؤن کی وجہ سے بچوں کو تعلیمی نقصان سے بچانے کے لئے بروقت آن لائن کلاسز کا اہتمام کیا۔ ادارہ کے زیر اہتمام شاغل میں شعبہ حفظ میں 1000 سے زائد طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں سے کثیر تعداد میں طلباء نے اس سہولت سے بھر پور فائدہ اٹھایا اور آن لائن کلاسز کے ذریعے اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔

☆.....الحمد للہ ہر سال کی طرح امسال بھی جامعہ کو وفاق المدارس کے سالانہ امتحانات (بنین و بنات) کیلئے منظر بنایا گیا جو کہ پورے ایس او پیز کے تحت انعقاد پذیر ہوئے جس میں سینکڑوں طلباء نے شرکت کی۔

☆.....ادارے کے رکن شوریٰ مولانا جبیل الرحمن صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تھا ادارہ کے اساتذہ، طلباء اور عملہ دکھ کی اس گھری میں ان کے ساتھ اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆.....ہر سال کی طرح امسال بھی جامعہ میں اجتماعی قربانی کا اہتمام کیا گیا۔

☆.....لوگوں میں قربانی کی اہمیت اور نصائل و مسائل کو بہتر انداز میں پیش کرنے کیلئے

(قریبانی کے فضائل اور مسائل) کے عنوان سے دو سینماں منعقد کئے گئے جن میں سے ایک آن لائن منعقد کیا گیا جس میں پوری دنیا سے لوگوں نے شرکت کی اور استفادہ کیا۔

☆.....: اہل شوریٰ کا عید الاضحیٰ کے بعد تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے اہم اجلاس ہوا جس میں تمام تعلیمی امور کا از سر نو جائزہ لیا گیا اور کچھ ضروری تراجمیں کی گئیں، اس کے ساتھ مختلف شاخوں میں تعمیر کے امور کو بھی زیر غور لایا گیا۔

☆.....: جامعہ کے شعبہ نشر و اشاعت کے زیر اہتمام مہمناسہ دارالتقویٰ میں حاجی عبدالوهاب صاحبؒ نمبر کی طرح حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحبؒ پر تفصیلی نمبر تیاری کے آخری مرحلہ میں ہے جو ان شا اللہ العزیزاً بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ خریداری کے خواہش مند حضرات اگلے شمارے کا انتظار فرمائیں۔

☆.....: جامعہ کے شعبہ نشر و اشاعت میں سو شل میڈیا کے ذریعے روزانہ کی بنیاد پر احادیث پہنچائی جا رہی ہیں جس سے روزانہ دس ہزار لوگ مستفید ہو رہے ہیں، اگر آپ حدیث کے وُس ایپ گروپ میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اس نمبر پر رابطہ کریں۔ 03222333224

☆.....: مری شاخ میں بڑھتی ہوئی طلباء کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے الحمد للہ ایک نئی درسگاہ کی تعمیر میں عمل میں لائی جا چکی ہے

☆.....: قصور شاخ میں شعبہ حفظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس میں داخلے جاری ہیں۔



اشاعت  
خاص

ماہنامہ دارالتوحی لاہور

عصر حاضر کے مجدد تبلیغ، مولانا الیاسؒ کے فیض یافتہ

# حاجی عبدالوہاب

حاجی صاحب کے  
حالات زندگی، احوال و  
واقعات اور سیرت  
وکردار کا ایک  
حسین گلستانہ



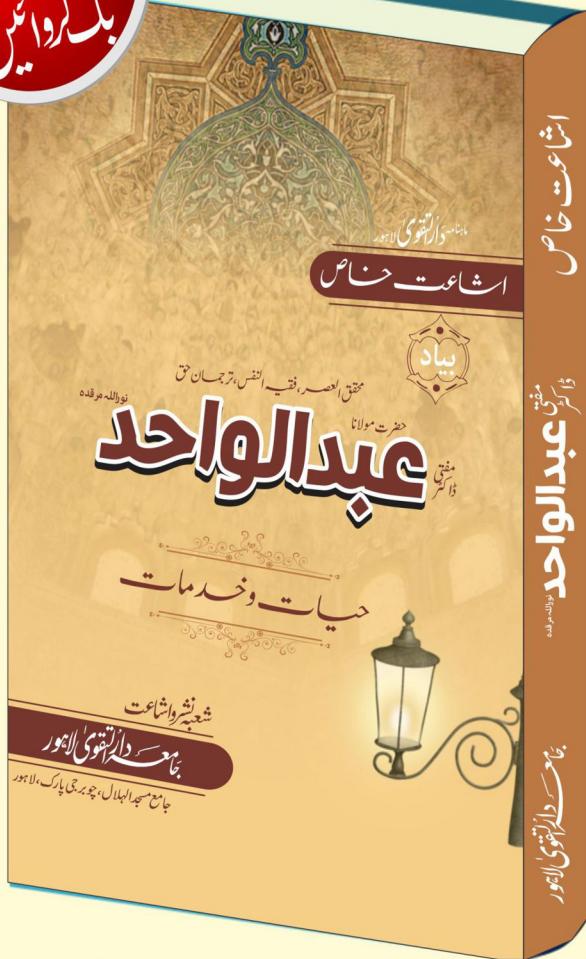
شروع اشاعت  
جامعہ دارالتوحی، لاہور

رائب نمبر

اوپرات کار  
صحیح ۲۸۱۲ تا عصر

0304-4167581

آن ہی اپنی کاپی  
بکر دا بیس



اشاعت خاص

ڈاکتی دارال واحد

بلاسٹر دا تھوڑی لاہور

رابط نمبر  
اوپرات کار  
ص ۸۱۲ تا ص ۸۳۰۴-۴۱۶۷۵۸۱